برما کا ستار

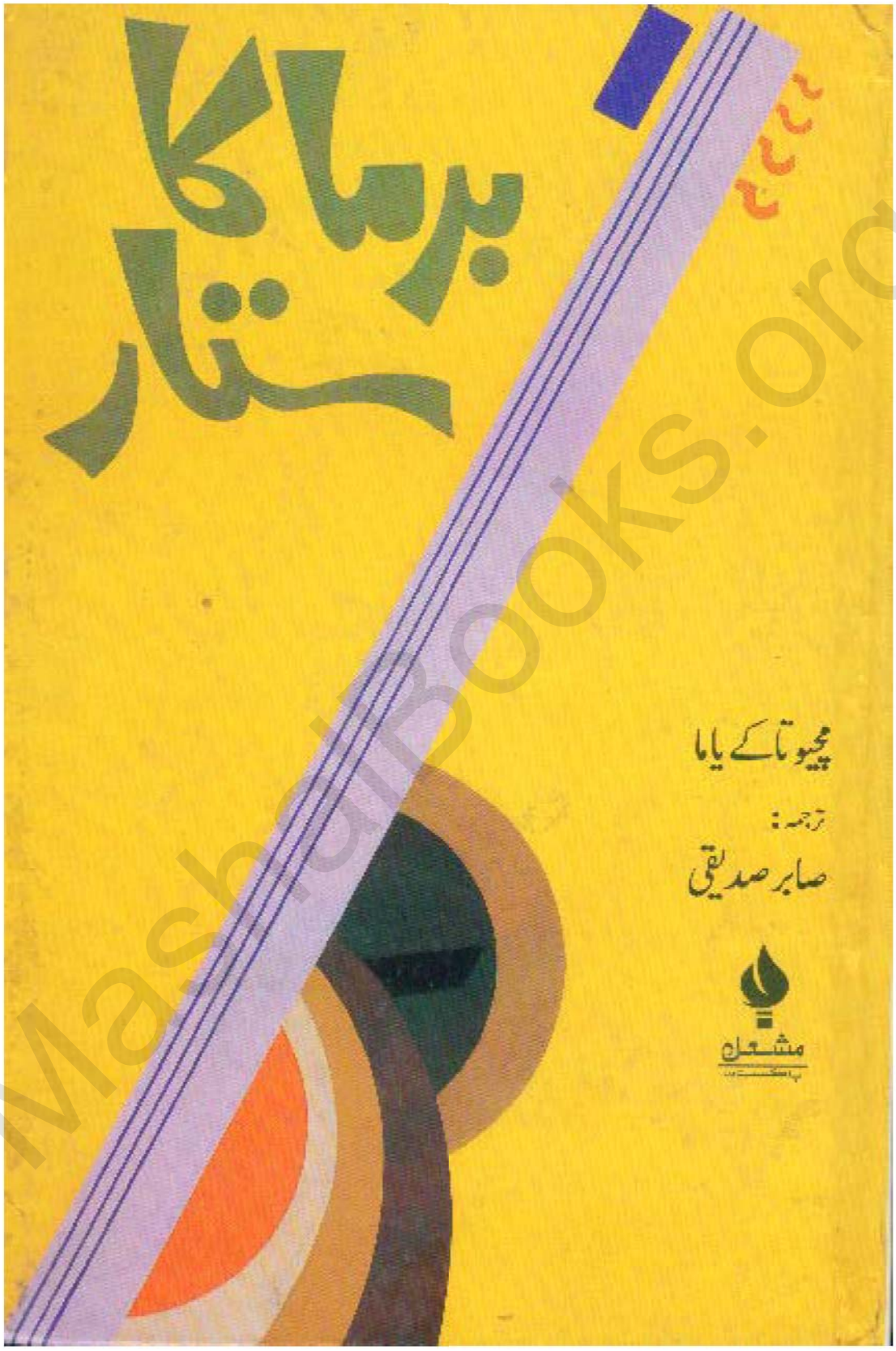

مچیوتا کے یاما

ترجمہ:

صابر صدیقی

مشعل
پاکستان

MashalBooks.org

برما کا ستار

مچیوتا کے یاما

ترجمہ: صابر صدیقی

مشعل

آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.org

Michio Takeyama: Harp Of Burma
Copyright English (C) 1996:
Charles.E.Tuttle Company.Tokyo
Copyright (Urdu) (c) 1994:Mashal Pakistan R-B-5 2nd Floor.
Awami Flat, New Garden Town. Lahore.
Urdu Translation: Sabir Siddiqui
Published by: Mashal Books

مچیوتاکے یاما : برما کا ستار

کاپی رائٹ (انگلش) (C) 1996:
چارلس ای ٹل کمپنی، ٹوکیو
کاپی رائٹ (اُردو) (C) 1994:
مشعل پاکستان آر۔بی۔5 سیکنڈ فلور

عوامی فلیٹ، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور
اُردو ترجمہ: صابر صدیقی

ناشر: مشعل بکس

MashalBooks.org

پیش لفظ

برما کا ستار دوسری جنگ عظیم کی کہانی ہے جس کا پیغام وقت کی قید سے آزاد ہے۔ پہلی بار یہ کہانی 1946ء میں شائع ہوئی تھی۔ مچیوتا کے یاما (Michio Take Yama) کی یہ کہانی جاپانی فوجیوں کی اس کمپنی کی داستان ہے جس نے برما کی جنگ میں کڑی آزمائشوں کا ہنستے گاتے سامنا کیا اور بہت زیادہ شہرت پائی۔ اس کی فلم بھی بنائی گئی ہے۔ حال ہی اسے اسٹیج پر دوبارہ پیش کیا گیا۔ اس کتاب میں مچیوتا کے یامانے مینی چی پریس کا انعام بھی حاصل کیا۔

یہ کہانی نوجوان نسل کیلئے لکھی گئی تھی اور شروع میں آکا تو مبو نامی رسالے میں شائع ہوئی جواب ناپید ہے لیکن ان دنوں وہ جاپانی نوجوانوں میں بے حد مقبول اور اہم رسالہ تھا۔ کہانی چھپنے کے بعد مچیوتا کے یامانے اسے کتابی شکل دی۔

ابھی حال ہی میں اسے ہائی اسکول کے نوعمر طالب علموں کے لیے دُنیا بھر کے اعلیٰ ادب کی سیریز میں شامل کرلیا گیا ہے۔

برما کا ستار ان لوگوں کی غیر معمولی کہانی ہے جو فوج میں بھرتی تو ہوگئے تھے لیکن جنگ کے اسرار سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ اس جنگ میں انہیں جن تجربات سے گذرنا پڑا وہ ان کے لیے بالکل نئے اور چکرا دینے والے تھے یہ کہانی ایڈونچر، مذاق دل لگی خوش طبعی اور دل دکھانے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ ان تمام باتوں نے مل کر اسے برما کی جنگ سے متعلق ایسی کہانی کی شکل دے دی ہے جس کو اگر آپ ایک بار پڑھنا شروع کردیں تو ختم کئے بغیر نہیں چھوڑ سکتے۔ لیکن جیسا کہ خود مصنف نے کہا ہے پڑھنے والے اسے محض ایک جنگی ایڈونچر کی کہانی سمجھیں گے ''مجھے خوشی ہوگی۔'' وہ کہتا ہے ''اگر یہ کہانی آپ کو کچھ اور نہیں تو کم از کم سوچنے پر تو مجبور کردے۔''

یونیسکو نے جدید عالمی ادب کے جو تراجم شائع کئے ہیں۔ ''برما کا ستار'' ان میں بھی شامل ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ہاورڈ ہیب بیٹ نے کیا ہے۔

MashalBooks.org

تعارف

باہر کے ملکوں سے ہمارے جاپانی فوجی جب اپنے وطن واپس لوٹے تو ان کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔ وہ دبلے پتلے کمزور اور تھکے تھکے سے دکھائی دیتے تھے۔ ان میں کچھ معذور تھے جنہیں اسٹریچر پر لایا گیا تھا۔

مگر واپس آنے والے ان بے حال فوجیوں میں ایک کمپنی بڑی مستعد اور خوش نظر آتی تھی۔ یہ لوگ مستقل گاتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ مشکل گانے بھی گا رہے تھے اور بہت اچھا گا رہے تھے۔

جب وہ یوکوسوکا کی سرزمین پر اترے تو وہ لوگ جو انہیں خوش آمدید کہنے آئے تھے بڑے حیران ہوئے۔ ہر شخص کی زبان پر بس ایک ہی سوال تھا کہ کیا انہیں مقررہ مقدار سے زیادہ خوراک ملتی تھی جو یہ اتنے خوش دکھائی دے رہے ہیں؟

ان لوگوں کو مقررہ مقدار سے زیادہ خوراک تو نہیں ملتی تھی۔ لیکن یہ لوگ برما کی مہم کے دوران مل کر گانے کی مشق کرتے رہتے تھے۔ ان کا کپتان ایک نوجوان موسیقار تھا جو نیا نیا موسیقی کے اسکول سے تربیت لے کر نکلا تھا، جنگ کے سارے عرصے میں وہ انتہائی جوش و ولولے سے اپنے فوجیوں کو گانے کی تعلیم دیتا رہا۔ یہ گانا بجانا ہی تھا جس نے اکتا دینے والے حالت اور شدید مشکلات میں بھی ان سب کے حوصلوں کو بلند رکھا اور طویل جنگ کے دوران ان کو ایک دوسرے سے دوستی اور ڈسپلن کی ڈوریوں میں باندھے رکھا۔ اگر انہیں موسیقی سہارا نہیں دیتی تو وہ اتنے بلند حوصلوں کے ساتھ کبھی اپنے وطن واپس نہیں آسکتے تھے۔

ان ہی فوجیوں میں ایک فوجی نے اپنی کہانی اس طرح شروع کی۔

MashalBooks.org

پہلا باب

بے شک ہم نے گانے گائے۔ چاہے ہم خوش تھے یا پریشان حال، ہم گیت گاتے رہے۔ ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ہم ہمیشہ لڑائی کے اندیشوں اور موت کے خوف میں مبتلا رہتے تھے اور چونکہ ہم ابھی زندہ تھے اس لئے چاہتے تھے کہ گاتے رہنے کا کام اچھی طرح کرلیں۔ ہمارے گیت ہمارے دل کی گہرائیوں سے نکلے تھے۔ ہم نے معمولی، بیہودہ اور مقبول عام گانوں کی نسبت گہرائی میں ڈوبے کلاسیکی گانے زیادہ پسند کئے۔ ہم لوگوں میں زیادہ تر کسان یا مزدور تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے اچھی موسیقی کے ساتھ مل کر گانا سیکھ لیا تھا۔

خوشی کے وہ لمحات مجھے ابھی تک یاد ہیں جو ہم نے ایک جھیل کے کنارے گاتے ہوئے گذارے تھے۔ ایک بار مارچ کے دوران نیچے وادی میں ایک گھنے جنگل سے گذرتے ہوئے اچانک ہمارے سامنے ایک جھیل آ گئی جس کے کنارے سفید عمارتیں نقطوں کی مانند دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ ایک گاؤں تھا جہاں کبھی برما کے ایک قدیم بادشاہ کا گرمائی محل ہوتا تھا۔ ایک چھوٹی سی خلیج کے کنارے سفید دیواروں والے مکانات کے جھنڈ پانی میں آدھے ڈوبے اپنے سایوں سے گلے مل رہے تھے۔ گنبدوں کے کلس اور گھنٹیاں بجانے والی برجیاں چندھیا دینے والے آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔

کیا آپ نے کبھی دودھیا پتھر دیکھا ہے؟ برما کا آسمان بھی بالکل اسی طرح کا سفید دمکتا، ہلکے رنگ وروپ والا، دھنک کی طرح رنگ بدلتا اور چمکیلے داغ دھبوں والا آسمان ہوتا

ہے۔ایسے آسمان کی طرف سر اٹھالے سنگ مرمر کی چکردار مخروطی برجیاں دیکھ کر آپ محسوس کریں گے جیسے کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔

تین دن تک ہمارا قیام اسی گاؤں میں رہا۔ روزانہ ہم نے مل کر گیت گانے کی مشقیں کیں۔ مذہبی گیتوں کے ساتھ اداس یادوں سے بھرے ہوئے نغمے گائے اور خوشگوار دھنیں بجائیں جو اس زمانے میں سب کی زبان پر تھیں۔ یہاں تک کہ مشکل جرمن اور اطالوی گیت بھی گائے۔اس کے علاوہ دلکش جھیل کے کنارے جب ہمارا کپتان خوشی میں اپنا فوجی ڈنڈا ہوا میں لہراتا تو ہم سب مل کر اور اپنے وجود کی گہرائیوں میں ڈوب کر گیت گانے لگتے۔

ایک دن ہم نے کمپنی کے گیت ''ہان یونو یادو'' کی کئی بار مشق کی۔''ہان یونو یادو'' وطن کی یاد میں ڈوبا ہوا ایسا گیت ہے۔جس میں تمام خواہشیں چھپی ہوتی ہیں جو دل میں ہلچل مچائے بغیر نہیں رہتیں۔ہم یہ گیت گاتے ہوئے اپنے خاندانوں کے بارے میں سوچتے اور تمنا کرتے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ بھی یہ سارا منظر دیکھتے اور ہمارے گیتوں سے محظوظ ہوتے!

بہت خوب جوانو! آج کے دن بس اتنا ہی کافی ہے۔کل اسی وقت ہم نئی چیز کی مشق کریں گے۔لہٰذا اب کمپنی برخواست کی جاتی ہے!

کپتان نے کہا۔ پھر اس نے ایک شخص کو آواز دی۔''میزوشیما، سنگت کیلئے تمہارے ساز تو تیار ہیں نا؟''

میزوشیما ایک روپورل تھا، دبلا پتلا درمیانے سے قد کا .....اس کی زیادہ تر جلد سورج کی گرمی سے جھلس کر سیاہ ہوگئی تھی۔اس کی صاف اور چمک دار بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ میزوشیما نے کمپنی میں شامل ہونے سے پہلے موسیقی کی کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔لیکن وہ پیدائشی باصلاحیت شخص تھا۔اس لئے اس نے انتہائی تیزی سے ترقی کی تھی۔موسیقی سے اسے جذباتی لگاؤ تھا۔اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں سوچتا تھا۔اس نے مل کر گانے میں سنگت دینے کیلئے اپنا ستار خود بنایا تھا۔اور اس پر اسے اتنی مہارت تھی کہ خواہ کوئی بھی ہو وہ جلد ہی اسے اپنے ستار پر بجا سکتا تھا۔

یہ بات ذرا عجیب سی لگتی ہے کہ برما جیسے دور افتادہ مقام پر فوجیوں کے پاس موسیقی کے سارے آلات ہوں گے لیکن حقیقت یہ کہ ان کی تمام اقسام ہمارے پاس تھیں۔اگر ہمارے فوجیوں کے مختلف آلات موسیقی جمع کئے جاتے تو سچ مچ ایک دلچسپ ذخیرہ ہو جاتا۔

MashalBooks.org

جہاں کہیں بھی ہمارے فوجی گئے اور وہاں انہیں تھوڑا سا بھی فالتو وقت میسر ہوتو اُنہوں نے کوئی نہ کوئی ساز بنالیا۔ ہمارے پاس کاریگروں کی کمی تو نہ تھی، وہ حیرت انگیز طور پر انتہائی خراب اور ناکارہ سامان سے بھی کوئی نئی چیز بنالیتے۔ بانسری سادہ سے نرسل (سرکنڈے) یا بانس میں چند سوراخ کر کے بنالی گئی تھی۔ بگل ٹوٹی پھوٹی مشینوں کے مختلف حصوں سے بنایا گیا تھا۔ میں نے ایسے طنبورے دیکھے ہیں جو بلی اور کتے کی کھال لکڑی کے فریموں پر منڈھ کر بنائے گئے تھے۔ یہاں تک کہ ڈھول پٹرول ڈرم کے ایک طرف کسی جانور کی کھال منڈھ کر بنایا گیا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ چیتے کی کھال تھی۔ ڈھول واقعی کمپنی کے لیے فخر کا باعث تھا کیونکہ اس کی آواز انتہائی گرجدار تھی۔ کچھ یونٹوں کے پاس وائلن اور گٹا تک تھے جو برما کے ستاروں کی ہو بہو نقل تھے۔ اس کی باڈی موٹے موٹے بانسوں یا نرسل سے بنائی جاتی اور اس میں تانبے، سٹیل اور المونیم یا ڈیورالیومن کے تار لگا دیئے جاتے۔ چمڑے کے تسمے نچلے پردوں کیلئے استعمال کئے جاتے۔ سخت محنت اور بڑی کوششوں کے بعد ہم اس عجیب وغریب ستار پر سرگم پیش کرنے کے قابل ہو سکے تھے۔

کارپورل میزوشیما اس ستار کا موجد ہی نہیں استاد بھی تھا۔ اس نے ستار کے حصے خود ترتیب دیئے تھے، جب وہ ستار بجاتا تو اس کی آوازیں پیانو اور جاپانی گٹار سے ملتی جلتی نکلتیں اور چھر فضا میں بکھر جاتیں۔ پہلی نظر میں میزوشیما مسخرا نظر آتا تھا۔ فوجی ٹوپی پہنے، سورج کی گرمی سے جھلسا ہوا یہ فوجی اس نازک سے آلے کو اپنے بازوؤں میں لئے جب اس کے تار چھیڑتا تو وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔

جب میزوشیما سے ہانیوتو یادو کی سنگت کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو اس نے فوراً اپنے ستار پر ایک دھن چھڑ دی تھی۔ جو کچھ اس نے بجایا بہت دلچسپ اور لاجواب تھا، یوں محسوس ہوتا تھا باجے پر کوئی سنگت نہیں بلکہ اکلوتی دھن بج رہی ہو۔ دوسرے فوجی اپنے ہاتھ باندھے اور آنکھیں بند کئے اس کے چاروں طرف سننے کیلئے جمع ہو گئے تھے۔

ہوا بھاری، خوشبو سے رچی ہوئی اور خاموش تھی ستار کی موسیقی جھیل کے اوپر سے گذرتی تو اس کی گونج جھیل کے پار مخالف سمت میں جنگل کے کنارے سنائی دیتی۔ یہ ساگوان کے بڑے بڑے درختوں کا جنگل تھا۔ جہاں ہم جمع تھے وہاں سے ہم اس جنگل میں بندروں کی اچھل کود دیکھ سکتے تھے۔ اور ہر قسم کے پرندوں کی چہچہاہٹ سن سکتے تھے۔

MashalBooks.org

ٹھیک اسی لمحے ایک مور کہیں سے اپنے پھڑ پھڑاتا نیچے زمین پر آیا۔ اس نے ہمارے سامنے مختصر سی پریڈ کی پھر اچانک ہی اپنے پر پھڑ پھڑاتا اڑ گیا، اس کے پروں کی پھر پھڑاہٹ سے ہوا میں ایک شور پیدا ہوا اور جھیل کی سطح پر اس کا سایہ تیرتا ہوا اس پار چلا گیا۔

یہ سچ مچ مسرتوں سے بھری یاد ہے۔

MashalBooks.org

دوسرا باب

جنگ کا پانسا ہمارے خلاف پلٹنا شروع ہو گیا تھا۔ آخر کار یہ بات ہر ایک پر واضح ہو گئی تھی کہ صورتحال بالکل مایوس کن ہے۔ علاقہ غیر میں پہاڑوں میں بھاگتے بھاگتے ہماری تعداد خاصی کم ہو چکی تھی اور ہم کسی نہ کسی طرح مشرقی سرحدی پہاڑی سلسلے کے پار سیام پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ قصداً ہم نے ایک ڈھلوان پگڈنڈی کا انتخاب کیا اور کئی گھنٹے اس پر بھاگنے میں صرف کر دیئے۔ دوسری بار ایک گہری گھاٹی پر ہوا میں جھولتے ایک پل کو پار کیا۔ ایک ایک کر کے تمام ٹرک ٹوٹ چکے تھے۔ اس لیے آخر میں ہمیں اپنا ساز و سامان بیل گاڑیوں پر لے جانا پڑا یا پھر ہم اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر لے گئے۔ ہم کہیں جاتے اور قیام کرتے تو پھر خوراک کی تلاش میں نکلنا پڑتا۔ خیال رکھئے کہ دُشمن کا علاقہ تھا۔ ہمارے لئے وہ بڑا خراب اور مصیبت کا وقت ہوتا اور ایک بڑا خطرہ بھی۔

ہمیں بہت سے ہولناک تجربے ہو چکے تھے ایسے لمحے بھی آئے تھے جب ہم نے سوچا تھا کہ عنقریب اب ہمارا خاتمہ ہونے والا ہے۔ ہم سب مرنے کو تیار تھے۔ لیکن ایسے موقعوں پر کارپورل میزوشیما کے ستارے واقعی معجزہ کر دکھایا۔

ایک رات بلند و بالا پہاڑوں میں اچانک ہم دُشمن کے گھیرے میں آ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہمارے نزدیک آتے گئے اور اُنہوں نے ہمیں ایک تنگ پہاڑی نالے میں گھیر لیا۔ ہم راستہ بھول گئے تھے۔ اور صرف درختوں کے درمیان چھن چھن کر اوپر سے آنے والی ستاروں کی روشنی میں

دیکھ سکتے تھے۔ ہم مکمل طور پر ان کے نرغے میں تھے۔

دُشمن کی فوجیں سلسلہ کوہ میں ڈھلوان سطحوں کے ملنے والے مقامات پر ہمارے دائیں اور بائیں جانب جمع ہوگئی تھیں۔ وہ روشنیوں کے اشاروں کے ذریعے ہمیں تلاش کررہے تھے۔ ہمارے سروں پر مسلسلسں گولہ باری جاری تھی۔ گولے جب فضا میں چیختے چنگھاڑتے شورشرابے کے ساتھ گذرتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے سفید ریشمی کپڑے کو دوحصوں میں پھاڑ دیا گیا ہو، نالے میں ہولناک دھماکوں کے ساتھ ہی چٹانوں کے پرخچے اڑ جاتے اور پھر پتھر اور مٹی ہمارے سروں پر برسنے لگتی۔

یہ سوچ کر کہ اب ہمارا خاتمہ یقینی ہے، ہم سب گھبراہٹ میں سمٹ کر جلدی جلدی درختوں کے نیچے نالے کے سیاہ سیلن والے فرش پر جمع ہوگئے۔ ہم سب مرنے کیلئے تیار تھے سانسیں رو کے خاموش بیٹھے تھے۔ ہماری پیٹھ ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ اور ہم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندھیرے میں گھوررہے تھے۔ میں اپنے دل کی تیز دھڑکن سن سکتا تھا میرا دل حلق میں اٹکا ہوا تھا۔

پہاڑی ڈھلانوں پر فلیش لائٹس کے اشارے پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہوتے جارہے تھے۔ وہ ادھر ادھر حرکت کررہے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ ایک سمت سے منہ میں بڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔ ''ناموا ُمیدابتسو'' مہاتمابدھ کی ثناء کرتے رہو۔

''ہش''، ''ہش''، کسی نے سختی سے خاموش رہنے کی تنبیہ کی۔ وہ میزوشیما تھا'' ہوسکتا ہے یہاں ہمارے چاروں طرف دُشمن کے اسکاوٗٹ موجود ہوں۔'' اس نے دبی دبی آواز میں کہا ہر وہ شخص خاموش ہوگیا۔ ایک بار پھر توپیں چلنے گلیں۔ گولے سروں کے اوپر سے گذرنے لگے۔ سٹارشیل ہمارے اتنے قریب پھٹتے کہ ہم تقریباً اندھے ہوگئے تھے۔ اکثر مٹی اور پتھروں کی تیز بارش یا کسی درخت کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز سنائی دے جاتی۔

جب گولہ باری تھوڑی کم ہوئی تو میزوشیما نے کھڑے ہوکر کپتان سے سرگوشی میں کچھ کہا۔ چندلمحوں بعد اپنے ستارسمیت وہ نالے کے اوپر کناروں پر اکیلا چڑھنے لگا۔ اس وقت آسمان پر تارے چمک رہے تھے اس کا سایہ تھوڑی دیر تک درختوں کے درمیان اوپری سمت جاتا دکھائی دیا پھر وہ پہاڑی ڈھلانوں میں غائب ہوگیا .... معلوم نہیں کتنی دیر بعد ہمیں درختوں

کے جھنڈ میں کوئی بارہ گز کے فاصلے پر شاخوں کے ٹوٹنے ،ٹہنیوں کے چٹخنے اور ایک قسم کی چرچراہٹ کی آواز سنائی دی۔ پھر ہم نے جھاڑیوں میں کسی قدموں آواز سنی۔ دو آدمی آپس میں باتیں کررہے تھے۔ انگریزی میں۔ ''یہاں نیچے تو کوئی بھی نہیں۔'' ایک طاقتور جوان آواز نے کہا۔'' کوئی جانور ہوگا چند لمحے کی خاموشی کے بعد دوسرے آدمی نے کہا۔'' مجھے سگریٹ چاہیئے۔'''' سگریٹ پینا خطرناک بات ہے۔ پہلی آواز نے تنبیہ کی۔'' بھول جاؤ سگریٹ کو۔'''' کیا مطلب ہے یہاں تو کوئی خطرہ نہیں۔ وہ ہمارے آس پاس کہیں بھی نہیں ہیں۔

ہم نے ماچس کی تیلی رگڑنے کی آواز سنی پھر روشنی کا ایک شعلہ ہمیں اس سمت میں دکھائی دیا جہاں دو برطانوی فوجی ملبے کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ماچس کے شعلے نے ان کے لال لال گال اور نیلی آنکھیں روشن کردی تھیں۔ وہ دونوں سکاؤٹ تھے۔ تیلی جلد بجھ گئی۔ ہم سانس روکے بے حس وحرکت بیٹھے تھے۔ اس اندھیرے میں بھی ہم ایک دوسرے کو صاف دیکھ سکتے تھے۔ لیکن دُشمن کے فوجیوں نے ہمیں نہیں دیکھا۔

ان میں سے ایک آدمی نے دھیمی آواز سیٹی بجانا شروع کردی تو دوسرا بھی آہستہ آہستہ اس کا ساتھ دینے لگا۔ یہ ہماری جانی پہچانی دھن تھی دی فائر فلائیز گلمر (The Firefly,s Glimmer) یعنی جگنوؤں کی جگمگاہٹ۔ ان میں سے ایک نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا۔ پتہ نہیں میرے خاندان کا کیا حال ہوگا۔

ٹھیک اسی وقت سلسلہ کوہ میں دوسری جانب سے ہمیں ستار کی آواز سنائی دی۔ پہلے تو یہ آواز غمگین اور سریلی تھی لیکن جلد ہی وہ بھڑکتے جذبات سے ملے جلے ایک جوشیلے فی البدیہہ گیت میں بدل گئی۔

سگریٹ کا دہکتا ہوا سرا عالم حیرت میں گل ہوکر جھڑ چکا تھا۔

''تم نے سنی، یہ کیسی آواز ہے؟'' ایک سکاؤٹ نے حیرت سے پوچھا۔'' کیا یہ آواز صرف میں ہی سن رہا ہوں؟''

''نہیں وہ آواز میں نے بھی سنی۔ وہ جو کوئی بھی ہو، بجاتا خوب ہے۔''

دوسرے نے کہا۔

پہاڑی ڈھلانوں پر پڑنے والی روشنیاں ہمیں دکھائی دے رہی تھیں جو لمحہ بھر کے لئے ایک ساتھ اور ایک جگہ مرکوز رہتیں پھر ان کا رخ وادی کے دوسری جانب سے آنے والی ستار کی

MashalBooks.org

آواز کی طرف منتقل ہوجاتا۔ ہمارے بالکل نزدیک اندھیرے میں دُشمن کے سکاؤٹ باتیں کررہے تھے۔

''آؤ'' چلوادھرمل کر دیکھتے ہیں وہ غالباً جاپانی ہے۔''

''احمق نہ بنو، وہ اس گاؤں کا رہنے والا ہوگا۔لیکن ہوسکتا ہے، اسے علم ہو کہ جاپانی کہاں ہیں۔'' پھر دونوں فوجی سکاؤٹ تیزی سے پہاڑی ڈھلان پر چڑھنے لگے۔

ستار کی آواز تھوڑی دیر کیلئے بند ہوگئی۔ پھراور زیادہ فاصلے سے دوبارہ آنے لگی۔ جب ہم لوگوں میں سے ایک آدمی تحقیق حال کیلئے اوپر گیا تو اس نے دیکھا کہ دُشمن کی سرچ لائٹیں زیادہ سے زیادہ دور ہوتی جارہی ہیں۔ یوں ادھر کا محاذ خاموش ہوگیا تھا۔ اور ہماری جانیں بچ گئی تھیں ..... کارپورل میزوشیما اگلی صبح تک ہمارے پاس واپس لوٹ آیا۔اس کا سارا بدن رگڑ، خراشوں اور چوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

ہمارے فرار کے دوان اکثر گورکھوں نے ہم پر حملہ کیا۔ یہ خونخوار لوگ سبز وردیاں پہنتے تھے۔ان کے پاس مڑے ہوئے نوکیلے خنجر ہوتے جنہیں وہ اپنی پیٹیوں میں اڑس لیتے تھے۔وہ درختوں میں چھپے ہماری تاک میں رہتے۔ جوں ہی ہم نیچے سے گذرتے وہ اپنی خودکار رائفلوں سے فائر کرتے ہوئے اچانک ہم پر ہلہ بول دیتے ہم گورکھوں زیادہ ڈرتے تھے۔اور جب کبھی ہم سنتے کہ وہ قریبی دیہات میں ہیں تو ان سے بچنے کیلئے اس راستے سے کترا کر چلتے تھے۔

اگر ہم جنگل سے گذرتے جو ہمیں خطرناک دکھائی دیتا تو میزوشیما ایسے موقعوں پر ہمیشہ برمی لباس پہن کر سکاؤٹنگ کیلئے جنگل میں چلا جاتا۔ برما کے لوگ ہماری طرح جاپانی دکھائی دیتے ہیں سوائے اس کے کہ ان کی ہلکی سی داڑھیاں ہوتی ہیں۔ میزوشیما صرف اکتیس برس کا تھا۔اس کی خشخشی داڑھی تھی اور برمیوں کی طرح بڑی اور صاف آنکھیں تھیں۔ دھوپ سے تپی ہوئی اس کی جلد گہرے کتھئی رنگ کی دکھائی دیتی لیکن ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ وہ بڑا باہمت اور حوصلہ مند شخص تھا اس کے چہرے پر ہمیشہ ایک اداس اور سنجیدہ تاثر رہتا تھا جیسا کہ گرم خطے کے لوگوں، مثلاً برمیوں کے چہروں پر اکثر ملتا ہے۔شاید آب وہوا کی سختی کی وجہ سے۔ جب وہ ایک خاص وضع کی سرخ اور زرد رنگ کی لنگی اپنے جسم کے چاروں طرف لپیٹ لیتا تو ہو بہو ایک مقامی باشندہ دکھائی دیتا۔ وہ اپنے برمی لباس میں اتنا زیادہ برمی لگتا کہ ہم سب ہنسا کرتے اور کہتے۔ وہ امیزوشیما تمہیں تو برما میں قیام کرنا چاہیے یہاں کے لوگ واقعی تم سے محبت

MashalBooks.org

کریں گے میزوشیما خود بھی ہستا اور اپنے اوپر ایک نظر ڈالتا اور برمی زبان کے چند لفظ ملا کر کہتا'' میں ایک مقامی باشندہ معلوم ہوتا ہوں نا۔ برما اچھا ملک ہے۔'' اس بہروپ میں بھی وہ اپنا ستار ساتھ لے جانا نہ بھولتا۔ وہ جنگل میں غائب ہو جاتا اگر وہ سمجھتا کہ سڑک محفوظ ہے تو اپنے ستار ایک مقامی گیت کی دھن چھیڑ دیتا۔ پھر ہم سب لوگ اپنی پناہ گاہ سے باہر آ جاتے اور اپنا سفر جاری رکھتے۔

ایک مرتبہ میزوشیما سیدھا گورکھوں کے ایک جتھے میں جا پہنچا۔ ساگوان کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے، اس کے سامنے ایک گورکھا فوجی ایک شاخ میں اپنی دونوں ٹانگیں پھنسائے بیٹھا، اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہا تھا جس پر پتلی سی باریک مونچھوں کا سایہ تھا۔ وہ تیز نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ میزوشیما کو نازک صورت حال کا اس وقت اندازہ ہوا جب اس نے درختوں میں ادھر اُدھر بہت سے باوردی گورکھوں کو دیکھا۔ وہ شاخوں اور پتوں میں چھپے بیٹھے تھے اب گر وہ سڑک سے ہٹتا تو اسے دیر لگتی اسی لئے اس نے حوصلے سے کام لیا اور اپنے ستار پر برمی سادھوؤں کا گیت گانا شروع کر دیا پھر سیدھا اس بڑے درخت کے نیچے چلا گیا۔

گورکھے نے یہ سوچ کر کہ وہ کوئی گانے والا ہوگا اس کے سامنے ایک سکہ پھینک دیا۔ چار پانچ دوسرے فوجیوں نے بھی اس کی دیکھا دیکھی سکوں کی بوچھاڑ کر دی۔ میزوشیما نے جھکتے ہوئے انہیں تعظیم پیش کی۔ اچانک ایک گورکھے نے شاخ سے اپنے پاؤں باہر نکالے اور بلند آواز میں پوچھا۔

اے تم نے یہاں جاپانی دیکھے ہیں؟'' اس پر میزوشیما نے ہاتھ اٹھا کر دور فاصلے پر ایک پہاڑ کی طرف اشارہ کر دیا۔'' وہاں۔''

''اچھا'' گورکھے نے سر ہلا کر جواب دیا پھر اس نے پیٹی میں اڑسا خنجر نکال کر درخت سے ایک خوشبودار پھل کاٹا اور اس کی جانب اچھال دیا۔ میزوشیما نے سر جھکا کر اس کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ پھر اس نے درخت کے نیچے کھڑے کھڑے ایک دھن بجائی جو ہمارے لیے ایک خطرے کا اشارہ تھی۔

دوسری مرتبہ جو کچھ ہوا وہ قدرے مضحکہ خیز اور دلچسپ تھا۔ میزوشیما کو گشت پر گئے ہوئے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ ہم سب پریشان ہو گئے۔ ہم سکاؤٹنگ کے لئے کسی دوسرے آدمی کو ابھی بھیجنے والے تھے کہ ہمیں ایک پھیکا پھیکا سا گیت سنائی دیا۔ یہ ''سب ٹھیک ہے'' کا اشارہ تھا جو گہرتے

جنگل سے آ رہا تھا ہم نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگل میں چلے گئے۔ ہم نے میزوشیما کو لمبی لمبی گھاس میں شرمندگی سے منہ چھپائے اپنے ستار پر ایک غمگین دھن بجاتے سنا۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ وہ لنگی کے بجائے کیلے کا ایک بڑا پتا اپنی کمرے کے گرد لپیٹے ہوئے تھا جس کا ڈنٹھل پرندے کی دم کے پروں کی طرح پشت پر باہر نکلا ہوا تھا۔

''کیا ہوا تمہارے ساتھ؟'' ہم نے پوچھا اس نے وضاحت کے ساتھ ہمیں بتایا کہ کسی ایک ہیبت ناک شخص نے جو مشکل سے برمی دکھائی دے رہا تھا اس پر یکا یک حملہ کر دیا تھا اور پیچھے سے اپنا پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا تھا۔ دراصل یہ ان لیٹروں میں سے ایک تھا جو ان دنوں ہر طرف اور جگہ نمودار ہو رہے تھے وہ جاپانی فوجیوں کا چھوڑا ہوا اسلحہ استعمال کر رہے تھے۔ لیکن برمیوں کے پاس لوٹنے کیلئے ان کی لنگی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی تھی اس لئے اس آدمی نے بھی میزوشیما سے اپنی لنگی دینے کیلئے کہا۔ ایک برمی کے بھیس میں میزوشیما سکاؤٹنگ کیلئے جاتا تو ہمیشہ اسلحے کے بغیر ہوتا تھا۔ اس نے سوچا صرف ایک لنگی کی خاطر اپنی جان گنوا دینے کا مطلب اپنے فرض کی ادائیگی میں ناکامی سمجھا جائے گا۔ اس لیے اس نے وہی کچھ کیا جو اس سے کہا گیا۔

تاہم ان لیٹروں کے بارے میں عجیب وغریب بات یہ تھی کہ وہ بڑی تعداد میں کیلے کے پتے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ برمی لوگ عام طور پر اپنی لنگی کے نیچے کوئی چیز نہیں پہنا کرتے حتیٰ کہ زیر جامہ بھی نہیں۔ اگر آپ ان سے لنگی لے لیں تو انہیں قابل رحم اور شرمناک حالت میں چھوڑیں گے۔ اس لئے یہ لٹیرے اپنے شکار کے ساتھ ہمدردی کے طور پر انہیں دینے کیلئے لنگی کا متبادل ساتھ رکھتے تھے۔ ان کی زبان بھی نرم ہوتی تھی۔ اپنے شکار پر پستول تانتے ہوئے وہ کہتے ''کیلے کے اس پتے کے بدلے اپنی لنگی کا سودا مجھ سے کر لو۔''

برما بدھ مت کے پیروکاروں کا ایک بہت مذہبی ملک ہے جہاں بدھ لوگ بہت کم معیار زندگی پر صبر وقناعت کرتے ہیں۔ وہ شریف النفس لوگ ہوتے ہیں۔ لالچ وخواہشات کے بغیر اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دُنیا بھر کے مقابلے میں وہ بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ ملک قدرتی وسائل کی دولت سے مالا مال ہے اور تعلیمی معیار کے لحاظ سے ان کی سطح بلند ہے۔ سفاک قسم کے جرائم پیشہ لوگ اس ملک میں کم ہی ملیں گے۔ حتیٰ کہ مسلح لٹیرے بھی لوگوں کے ساتھ روایتی شرافت سے پیش آتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ لٹیرے کی نظریں صرف میزوشیما کی لنگی پر تھیں، اس کے ستار پر نہیں۔

MashalBooks.org

یہی وہ تھی کہ ہم نے میزوشیما کو سورج کی جھلسا دینے والی گرمی میں خودرو گھاس میں بیٹھے دیکھا تو کیلے کے پتے کے سوا اس کا سارا بدن ننگا تھا۔ ہم اس کے پاس گئے اور اس کے کندھے پر دھپ ماری۔

''اس بہروپ کا کیا مطلب ہے؟ کیا تم پر کسی لومڑی یا کسی اور شئے نے جادو کر دیا ہے؟ میزوشیما نے جواب میں ایک قہقہہ لگایا اور ہماری چھیڑ خانی کا اس طرح جواب دیا۔

''کیلے کے پتے سے نفیس ٹھنڈا لباس بنتا ہے۔ آخر تم لوگ بھی اس کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟''

MashalBooks.org

تیسرا باب

ہم پہاڑوں، جنگلوں اور وادیوں کی خاک چھانتے اور آوارہ گردی کرتے رہے۔ ہماری حیثیت قدیم کہانیوں کے مفرور قیدیوں جیسی تھی جو نہ صرف اپنے سائے بلکہ ہوا کی آواز تک سے ڈر جایا کرتے تھے۔

ہماری پیش قدمی روکنے کیلئے راستے میں پڑنے والے دیہات میں پیرا شوٹ سے فوجی اتارے جاتے۔ ہمارے بارے میں ایک دیہات سے دوسرے دیہات کو پیغام بھیجے جاتے اور غلہ چھپا دیا جاتا۔ بعض اوقات جوں ہی ہم کسی گاؤں کے لوگ دُشمن کو اطلاع دے چکے ہیں اور پھر ہم پر حملہ ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے محافظوں تک کو ستانے یا آرام کرنے کا موقع دینے میں ناکام رہے تھے۔ مقامی قبیلوں میں سے چند سے ہماری دوستی ہوگئی تھی جن کی مدد سے ہم پہاڑوں میں سست رفتاری سے آگے بڑھتے رہے۔

ایک دن ہم ڈھلوان چٹان کی بلندی پر واقع ایک گاؤں میں پہنچے تو ہمارے برمی گائڈ نے ہمیں یقین دلایا کہ ہم لوگ آخر کار خطرے سے باہر نکل آئے ہیں۔

ہمارا گائڈ ایک لمبا سا آدمی تھا۔ اس کے منڈے ہوئے سر پر ابھری ہوئی رگیں صاف نظر آتی تھیں۔

''ادھر دیکھو۔'' اس نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ''اس درے تک پہنچ گئے تو سمجھ لو سیام پہنچ گئے۔

ہمارے سامنے ایک بڑا خوبصورت اور شاندار منظر تھا۔ جوں ہی ہم نظارہ کرنے کھڑے ہوئے پہاڑوں کی خنک ہوا کا ایک خوش گوار جھونکا ہمارے جسموں کو سہلاتا ہوا گذر گیا۔ اس

MashalBooks.org

سمت، جہاں گائیڈ اشارہ کر رہا تھا ہم نے نیلگوں کہر دیکھا جو پہاڑی سلسلوں میں جنگلوں کے اوپر چھایا ہوا تھا۔ اس سے پرے جاپانی فوج موجود تھی۔ ''یہاں چاروں طرف کسی ایک برطانوی، ہندوستانی یا گورکھا فوجی کا نام ونشان تک نہیں۔'' گائیڈ نے بتایا۔ ''آج رات آپ مزے کی نیند سو سکتے ہیں۔

واقعی جگہ تو بہت محفوظ دکھائی دی۔ ہم اگلے گاؤں سے ابھی خاصے فاصلے پر تھے۔ سامنے عمودی چٹان ایک انتہائی گہری کھائی میں اترتی چلی گئی تھی۔ جہاں بہت نیچے ایک تیز رفتار ندی سفید جھاگ اڑاتی رواں دواں تھی۔ گاؤں کے عقب میں ایک اور اونچی چٹان تھی جس کے اوپر عقاب دائروں میں منڈلا رہے تھے۔ گاؤں کے بالکل بیچ ایک کشادہ جگہ تھی اور اس جنگل کے دونوں طرف تاریک بے پناہ گرم برساتی جنگل۔

آپ ذرا اس بات کا تصور کریں کہ یہ جگہ پچاس کے لگ بھگ جاپانی فوجیوں کے چھپنے کیلئے کتنی مناسب تھی۔ کپتان نے کہا'' ہم یہاں اس گاؤں میں چند روز آرام کریں گے اور روانگی کے آخری مرحلے کیلئے تیاری بھی کریں گے۔''

جیسے ہی ہم گاؤں پہنچے گاؤں کا بڑا سردار اور بہت سے لوگ ہمیں خوش آمدید کہنے نکل آئے۔ ہمیں کھلی جگہ پر ایک بڑے ہال میں لے جایا گیا۔ جس کی چھت گھاس پھوس سے ڈالی گئی تھی۔ ہمارے لیے بہت بڑی دعوت کا اہتمام بھی کیا گیا تھا وہاں شراب بھی تھی۔ ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

برمی لوگ بدھ مذہب کے احکامات کے سختی سے پابند ہیں اور اُنہوں نے شراب یا الکحل سے بنی مشروبات کبھی نہیں پی تھیں اس وقت تک شہروں میں یہ رسم اور طور طریقے ختم ہونا شروع ہو چکے تھے۔ لیکن دیہات میں یہ قدریں بہت مضبوط تھیں۔ محاذ جنگ پر کسی شراب کا ملنا تقریباً ناممکن تھا۔ ہم نے سوچا ان سادہ لوح دیہاتوں کو ہمارے لئے شراب کے حصول میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

گاؤں والوں نے ہمارے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ دعوت ایک خوبصورت پارٹی میں تبدیل ہوگئی۔ گاؤں کے دس نوجوان لڑکے ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اُنہوں نے ہمیں اپنا ایک لوک گیت سنایا۔ ان سب کے گھنگھریالے بال تھے اور آنکھیں نہایت صاف، تاہم ان کی جلد زیادہ سیاہ نہ تھی۔ ہم جاپانی فوجی زیادہ سیاہ تھے۔ وہ ننگے پاؤں تھے۔ اور

MashalBooks.org

نیم برہنہ بھی، صرف ایک نہایت رنگین لنگی تھی جسے اُنہوں نے اپنے بدن کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ شروع شروع میں تو ان کے گیت کے بولوں کی زبان سخت تھی۔ جوں ہی ہم یہ محسوس کرتے کہ گیت کے بولوں کی زبان سخت تھی۔ لیکن بغور سننے پر وہ بول المناک سنائی دیئے۔ مگر یہ گیت ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ جوں ہی ہم یہ محسوس کرتے کہ گیت ختم ہوگیا، وہ دوبارہ زور شور سے پھر وہیں سے شروع ہوجاتا ہے۔ گرم خطوں کی یہ غمگین موسیقی، نڈھال کردینے والی، یکساں اور اکتادینے والی تھی۔ گائیڈ نے ان بولوں کا ہمارے لئے ترجمہ کیا:

''بادلوں کے درمیان
بہت دور چمکتا برف
ہمالیہ کا .....
ہم پگھلتی برف کے ان چشموں میں نہائے
دور بہت دور، تمہارا دل چھپا ہوا ہے۔
میری خواہش تھی، کاش،
اپنے سلگتے دل کو
نہلاسکتا، اس برفیلے چشمے میں .....''

گانوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مزیدار چیزیں ہمیں پیش کی جاتی رہیں۔ سرخی مائل گالوں والا باریش بڑا سردار خود اپنے ہاتھوں سے ہمیں شراب پیش کرنے پر بضد تھا۔ ہمارے ایک آدمی نے اس سے پوچھ لیا۔

''کیا تم یہاں سے ہمالیہ دیکھ سکتے ہو؟''

سردار مسکرادیا۔ اس کی آنکھوں کے گرد جھریاں اور گہری ہوگئیں۔ پھر بے خیالی میں اپنی لمبی داڑھی کو دونوں ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''وہ پہاڑ یہاں سے نہیں دیکھے جاسکتے۔ ہم میں سے کسی نے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔ ہم تو انہیں صرف سوتروں (مذہبی دُعاؤں) اور قدیم داستانوں کے حوالے سے جانتے ہیں۔

برمی لوگ بچپن ہی سے مذہبی سوتروں اور قدیم داستانیں سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ ہم نے اکثر ہمالیہ کا ذکر ان کے گیتوں، گانوں اور کہانیوں میں سنا تھا۔ اور ان کے پگوڈوں میں اکثر ان مقدس پہاڑوں کی نقاشی اور پینٹنگز بھی دیکھی تھیں۔ وہ سب ان بڑے پہاڑی سلسلوں کو اپنی

MashalBooks.org

روحوں کا مسکن سمجھتے ہیں اور مرنے سے پہلے وہاں کی زیارت کرنے کی اُمیدیں لگائے رہتے ہیں۔لوگ کہتے ہیں کہ بادلوں کے درمیان وہ برف پوش چوٹیاں سورج کی روشنی میں سنگ مرمر یا چاندی کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ایک غیر ارضی حسن کا منظر۔ان پہاڑوں کے امن میں ہزاروں سال پہلے مہاتما بدھ نے انسانیت کو تباہی سے بچانے کیلئے گیان دھیان کیا تھا،اور نروان حاصل کیا تھا۔یہ تمام باتیں برمیوں کے اعتقاد اور یقین کا حصہ ہوتی ہیں۔اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ان کے گیت سنے جائیں تو ہم ان کے گیتوں میں عبادت کا مفہوم تلاش کر سکتے ہیں۔

جب گاؤں والوں کے گانے ختم ہوئے تو ہمارے گانے کی باری آئی۔ہم لوگ تو پہلے ہی سے گانے کے دیوانے تھے۔ویسے تو ہر طرح کے گیت ہم نے گائے مگر جس گیت کی ہمیں سب سے زیادہ داد ملی، وہ تھا'' دی مون اوور دی روئنڈ کاسل (تباہ شدہ قلعہ کے اوپر چاند) واقعی وہ ایک شاہکار گیت تھا۔آخر کوئی بات تو تھی کہ ہم جہاں کہیں بھی جاتے اور حاضرین مجلس خواہ کتنے ہی دقیانوسی کیوں نہ ہوتے،ان پر ہمارے گانے کا جادو چل ہی جاتا تھا۔

موسیقی کی آواز پر لوگ کھنچے چلے آئے۔گاؤں والوں کا ہجوم چاروں طرف اکٹھا ہو جاتا۔ برمی لوگ تہواروں کے دلدادہ ہوتے ہیں۔معمول سے معمولی موقعوں پر وہ پھولوں سے لدی پھندی اور سجی سجائی گاڑیاں نکال لاتے ہیں اور خوب دھوم دھڑکا کرتے ہیں۔ناچتے گاتے ہیں۔ جب سے ہم اس پہاڑی گاؤں میں آئے تھے سبھی لوگ تہوار منانے کے موڈ میں تھے۔ہماری مہمان نوازی میں وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مقابلہ کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ہمارا مقصد بھی اپنے گیتوں کے ذریعے ان کا شکریہ ادا کرنا تھا۔

گاؤں کے لوگوں نے پوری توجہ کے ساتھ ہمارے گیت سنے۔جیسے وہ کسی تقریب میں شریک ہوں، بڑے بوڑھے راہداری میں بیٹھ گئے تھے۔بچے کھڑکی کی منڈیروں پر جھکے ہوئے تھے۔وہ اپنی ٹھوڑیاں دونوں ہتھیلیوں پر رکھے اندر جھانک رہے تھے۔ہال کے بالکل سامنے، کھلی جگہ پر ناریل کے درخت کے نیچے عورتیں بچوں کو پیٹھ پر لادے۔خاص برمی انداز میں گھٹنے اُٹھائے اپنے پتلے بازوؤں اور پیروں کو باندھے، بے حس و حرکت جھکی بیٹھی تھیں۔

اُنہوں نے جو چیز سب سے زیادہ پسند کی وہ میز و شیما کا ستار تھا۔جسے وہ اپنے گھٹنوں پر لئے بیٹھا تھا اور ہمیشہ کی طرح جذباتی ہو کر بجا رہا تھا۔ستار پھولوں اور سرخ پروں سے سجا ہوا تھا۔ جب وہ کوئی زوردار دھن بجاتا تو سرخ پر اور پھول ناچنے لگے۔

MashalBooks.org

یکا یک سامعین میں سے ایک کم سن لڑکی، جس کی عمر اندازً بارہ سال ہوگی، ہجوم سے نکلی اور ہوا کی مانند چند قدم آگے نکل آئی۔ وہ چست لنگی اور چولی پہنے تھی۔ اس نے مڑے تڑے پروں جیسے زیوارت پہن رکھے تھے۔ اس کے نرو نازک لچک دار بازو اور ٹانگیں چمک رہی تھیں۔ اس کے بال کنڈلی مارے سانپ کی طرح اوپر کی جانب اُٹھے ہوئے تھے جیسے اس کے سر پر ایک چھوٹا سا پگوڈا بنا ہو۔

وہ کم سن لڑکی کمرے کے بالکل بیچ آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے تماشائیوں پر چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور دیکھتے ہی اس نے رقص کا ایک پوز بنا ڈالا۔ پہلے تو اس نے اپنے سر کو ایک طرف جنبش دی۔ اپنا بایاں ہاتھ آگے لا کر اپنے سامنے پھیلایا۔ انگلیوں کو سیدھا اور اوپر اٹھایا۔ دائیں ہاتھ کو سینے پر اس طرح رکھا کہ ہتھیلی باہر کی طرف رہے۔ پھر یکا یک اس نے پلٹا کھایا۔ اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت کی مدد سے اس نے تیزی سے ایک دائرہ بنایا۔ گویا اب وہ کسی بھی لمحے برق رفتاری کے ساتھ حرکت میں آنے کیلئے تیار تھی۔ اس نے اپنی بڑی اور سیاہ آنکھیں ستار بجانے والے پر جما رکھی تھیں۔

ستار نواز میزوشیما نے ستار پر ایک دھن چھیڑ دی تھی جو اسکول کے زمانے کے ایک پرانے گیت کی تھی۔ اس نے یہ دھن فوجی کوچ کیلئے تیار کی تھی۔ لڑکی دھن پر رقص کرتی رہی۔ وہ آہستہ سے اپنے سر کو ایک جانب سے دوسرے جانب موڑتی، اپنے پیروں کو اس پار کرتی کبھی اس پار، اپنی کہنیوں، کلائیوں اور تمام جوڑوں کو خم دیتی اور اس طرح وہ متعدد بار زاویہ قائمہ بناتی اس کے دبلے پتے لمبے بازو اور ٹانگیں سانپ کی طرح بل کھاتی تھیں۔ اس کے بازو ادھر سے ادھر پھڑ پھڑاتے رہے۔ وہ سست رفتاری کے ساتھ اپنے پاؤں سے دائرے کھینچتی رہی۔

وہ یقیناً ایک بدیسی رقص تھا مگر ایک دل آویز اور ناقابل فراموش رقص گاؤں کے نوجوانوں کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل تھا۔ اُنہوں نے اس لڑکی کی تعریف میں آسمان سر پر اُٹھایا تھا۔ وہ اس پر پھول نچھاور کر رہے تھے۔ وہ میزوشیما سے بار بار نئی دھنوں کی فرمائش کرتے رہے۔ بالآخر جب گانا ختم ہوا تو میزوشیما ہال کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور پیار سے اپنے گھٹنے تھپتھپانے لگا۔ ادھر گاؤں والے تھے کہ شور مچائے جا رہے تھے،

''کیوں، میزوشیما کیا خیال ہے؟ ہم نے اس سے پوچھا۔ کیا تم برما میں رہنا اور بقیہ اپنی تمام زندگی ستار بجانا پسند نہیں کرو گے؟''

MashalBooks.org

میزوشیما بہت کم بولتا تھا اس بار بھی وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس نے کہا کچھ بھی نہیں، بس سامنے خلاؤں میں گھورتا رہا۔ جیسے خیالات میں گم ہو وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ گرم خطے اس کیلئے زیادہ پرکشش ہیں۔ وہاں کی چمکیلی دھوپ، صاف اور واضح رنگ وروپ، قسم قسم کی زندگی کے طور طریق ..... ان لوگوں کے عجیب وغریب رسم ورواج۔۔ اسے اس بات پر فخر تھا کہ وہ لنگی پہنے ہوتا تو اس میں اور ایک مقامی برمی باشندے میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا۔ اگرچہ وہ ایک ایسا شخص تھا جو ہوش وحواس میں اپنے فرائض انجام دیتا تھا، فطری طور پر آسان اور سادہ زندگی گذارنے میں اسے زیادہ دلچسپی تھی۔ جب کبھی ہم کسی برمی گانے والے سے ملتے تو میزوشیما ٹکٹکی باندھے رشک بھری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہتا۔ سکاؤٹنگ کیلئے اسے کہیں جانا ہو تو عام طور پر وہ کسی گھومنے پھرنے والے موسیقار کا بھیس بدل لیا کرتا۔ بقیہ اپنی ساری زندگی مستقل طور پر برما میں گذارنے کے بارے میں ہماری چھیڑ خانی اس کے دل کو جا لگتی۔

اب ہمارے دوبارہ گانے کا وقت تھا ..... ''ڈی اوٹم مون'' (موسم خزاں کا چاند) وائلڈ روزیز (جنگلی گلاب کے پھول) یہ سب کے سب پیارے اور شریں نغمے تھے جنہیں ہم اپنے لڑکپن سے گاتے چلے آئے تھے۔ جیسے ہی ہم نے یہ نغمے گائے ہم اپنی تکالیف بھول گئے۔ ہم میں سے ہر ایک ذہن میں ان نغموں کے ساتھ کچھ یادیں محفوظ تھیں۔ وہ لوگ جن سے ہمیں محبت تھی ہمارے تصورات پر چھا گئے۔ مجھے اب تک یاد ہے، میری ماں تھی اور میرے بھائی بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے ہر بات یاد ہے۔ اُنہوں نے مجھے کس طرح دیکھا تھا، اور وہ کیا کہہ رہے تھے۔'' جب ہم گانے گاتے تو ہمارے ذہنوں میں یہی خیالات آتے رہتے۔ جن حالات میں ہم گانے گاتے ان کا ہمیں پہلے کبھی وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ دُشمن سے جان بچاتے ہوئے، طرح طرح کے خطرات میں گھرے ایک عجیب وانوکھی سرزمین پر بلند وبالا پہاڑوں کے درمیان ہم گانے گاتے رہتے۔

ہم مسلسل گاتے رہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ناقابل بیان خدمات واحساسات، گانوں کے اندر سموتا رہا۔

MashalBooks.org

چوتھا باب

اچانک ہم نے محسوس کیا کہ وہاں ہمارے سوا کوئی بھی نہیں تھا، یکا یک سارے برمی لوگ اُٹھ کر چلے گئے تھے .....وہ کم سن لڑکی ،نوجوان،عورتیں،حتیٰ کہ بڑا سردار بھی جو ہمیں کھلانے میں مصروف تھا، جا چکا تھا۔ ہمارا وہ گائیڈ بھی ،جس نے رات گذارنے کیلئے انتظام کرنے کا ہم سے وعدہ کیا تھا غائب ہو چکا تھا۔ گویا بکھری ہوئی کرسیوں،اور دعوت کے باقیات کو گانا سنانے کیلئے وہاں ہم اکیلے ہی رہ گئے تھے ..... کھڑکیوں کے نیچے یا باہر میدان میں بھی ہمیں کوئی برمی دکھائی نہ دیا۔ وہ سب لوگ غائب ہو گئے تھے۔اب خوف زدہ ہو گئے۔

کوئی شخص زور سے چیخا'' گانا بند کرو'' ایسا پہلے بھی ہو چکا تھا کہ برمی گاؤں میں ہمارے فوجیوں کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا جاتا پھر مقامی لوگ اچانک نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں گھات میں بیٹھا دُشمن ہم پر حملہ کر دیتا۔لگتا تھا یہی سب کچھ ہمارے ساتھ پھر ہونے والا ہے۔

اب ہمارے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ ہم فوراً ہی مقابلے کیلئے کیسے تیار ہوں۔اب ہمیں فوراً پوزیشن لینا تھی اور اپنی ساری رسد محفوظ مقامات تک پہنچانا تھی۔

ادھر خو پناہ گاہ تلاش کرنا تھی اور خندقیں کھودنا تھیں۔ کچھ لوگوں نے تو فوراً ہی بندوقیں لینے کیلئے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔

''اپنے حواس پر قابو رکھو!'' کپتان نے حکم دیا۔ پھر ایک دھیمی مگر کرخت آواز سے کہا۔'' گانے کا سلسلہ جاری رکھو۔'' اس کے بعد اس نے تیزی سے سرگوشیوں میں کہنا شروع کر دیا۔'' ہمیں کسی صورت میں ایسی بات نہیں کرنا ہے جس سے ظاہر ہو کہ ہمیں خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔اسی طرح گاتے رہو تا کہ دُشمن مغالطے میں رہے کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔ساتھ ہی ہمیں ان کا سامنا کرنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے۔ابھی چند منٹ ہی کی تو بات ہے کہ مقامی لوگ

MashalBooks.org

یہاں سے گئے ہیں۔اس لئے شاید دُشمن براہ راست حملہ نہ کرے۔البتہ ایک بار جوں ہی اسے شک ہوا کہ اس طرف غیر معمولی سرگرمیاں جارہی ہیں اور خندقیں کھودی جارہی ہیں تو وہ ہم پر حملہ کردیں گے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ہم نے اسی طرح گانا شروع کردیا۔اس اثنا میں ہمارے کچھ لوگوں نے زمین پر لیٹ کر اپنے اسلحے کے ذخیرے کی جانب رینگنا شروع کردیا۔تھوڑی دیر میں ہم نے آپس میں ہتھیار تقسیم کرنا شروع کردیئے۔ادھر ہم برابر پرسکون انداز میں گاتے بھی رہے۔اسی عرصے میں ہم نے اپنے چرمی موزے پہنے، کارتوسوں کی پیٹوں کے بکل چڑھائے۔رائفلیں گولہ بارود ساتھ لے لیا۔اور تیار ہوگئے۔

''وائلڈروزیز''ختم کرنے کے بعد ہم دوسرا گانا گانے لگے، گاتے ہوئے ہم نے جنگل کی طرف اپنی دوربینوں سے دیکھا تو پہلے ہمیں چند گورکھا اور پگڑیاں باندھے ہندوستانی فوجی دکھائی دیئے۔وہ ایک پناہ گاہ سے دوسری پناہ گاہ تک دوڑ رہے تھے مگر خوف سے کانپ بھی رہے تھے۔ ہمارا گانا اداس اور پرسوز تھا۔ہم وہ گانا اس طرح گارہے تھے۔جیسے وہ ہماری زندگی کا آخری گانا ہو۔اس عرصے میں کپتان سرگوشی میں احکام جاری کرتا رہا۔آخر اس نے دس دس آدمیوں کے گروپ بنا کر ہمیں اہم مقامات پر تعینات کردیا۔

گانا ختم ہوا تو اس نے حکم دیا۔''تالیاں بجاؤ اور خوب ہنسو!''ہم نے زور زور سے تالیاں بجائیں اور خوب قہقہے لگائے۔''وہ حملہ کرسکتے ہیں۔''''اس نے کہا۔''لیکن اُنہوں نے ہمیں جو مہلت دی ہے اس کا پورا فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ہوسکے تو اندھیرا ہونے تک ان کو خطرہ محسوس نہ ہونے دو۔اب ایک مرتبہ اور سنو!''

ہم نے پھر تالیاں بجائیں اور قہقہے لگائے لیکن بہرحال بات اتنی آسان نہ تھی۔جنگل میں مشین گنوں کے رخ ہماری طرف کردیئے گئے تھے اور وہ کسی بھی لمحے آگ اگلنے کے لیے تیار تھیں۔

اب ہمارے لئے بالاخر صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا جو انتہائی اہم تھا۔گولہ بارود کے بکسوں سے لدی ہوئی ایک گاڑی کھلے میدان میں کھڑی تھی جسے ہمیں اپنے بالکل نزدیک حفاظت سے رکھنا تھا۔اور یہ کام ایسے کرنا تھا کہ دُشمن کو کوئی شک نہ ہو۔وہ یقیناً اپنی دوربینوں سے ہمارا جائزہ لے رہا تھا۔

MashalBooks.org

ہم یہ کام کس طرح کر سکتے تھے؟ ابھی ہم گا ہی رہے تھے کہ ایک خوف نے ہمارے ذہنوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اگر دُشمن کی ایک گولی بھی کسی بکس میں لگ گئی تو ہمارا خاتمہ یقینی ہے۔ ہمارے اسلحہ کی تمام تر سپلائی بھک اڑ جائے گی۔ ہم نے میزوشیما کی طرف دیکھا وہ اس طرح کے مسئلے حل کرنے میں ماہر تھا۔ وہ ہنس رہا تھا وہ گا تا بھی جا رہا تھا۔ اور اپنا ستار بھی بجا رہا تھا۔ لیکن ہم جانتے تھے کہ وہ نہایت مستعدی سے سوچ سکتا ہے۔ آخر کار وہ کپتان سے سرگوشی میں باتیں کرنے لگا۔ وہ دونوں تجویز پر متفق ہو چکے تھے۔ اب ہم میں کچھ لوگ ایک مزیدار دھن پر گاتے ہوئے ایک قطار میں ہال سے باہر نکلے۔ میزوشیما ستار پر دھن بجاتا ہوا اور اس انوکھی پریڈ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ باقی لوگ، وہ پھول ہاتھوں میں لئے اس کے پیچھے چل رہے تھے جو نوجوانوں نے ناچنے والی لڑکی پر نچھاور کئے تھے۔ ہر شخص قہقہے لگا رہا تھا۔ کچھ لوگ تو چھلانگیں لگا لگا کر ہڑبونگ بھی مچا رہے تھے۔ گویا وہ برمی رقص کی نقل کر رہے تھے۔ ہم نے میزوشیما کو اُٹھا کر گاڑی پر بٹھا دیا۔ وہ گولہ بارود کے ایک بکس پر کھڑا ہو گیا ستار کو اپنے گھٹنے سے ٹکا کر ایک پیاری سی خوشگوار دھن بجانے لگا ہم سب نے اس گاڑی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور اپنے ہاتھوں میں پھول لئے ہوا میں لہرانے لگے۔ ہم سب مل کر گاتے رہے۔

منصوبے کے مطابق ہمیں گاڑی کو کھینچ کر اندر لانا تھا۔ بالکل ایسے جیسے کہ ہم تہوار کا کوئی فلوٹ کھینچ رہے ہوں۔ ہم نے مدہم گیت ''ہانیو تو یادو'' گایا۔

بظاہر دُشمن فوجیوں کی تعیناتی کا کام ختم کر چکا تھا۔ کیونکہ جنگل میں اب کسی قسم کی نقل وحرکت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہاں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ گو ظاہری طور پر ہم گاتے رہے تھے لیکن جنگل سے کسی بھی لمحے ہمیں بندوقوں کی باڑ آنے کی توقع تھی۔ جتنی جلدی ممکن تھا ہم اس بھاری بھرکم گاڑی کو دھکا دے کر اندر لانا چاہتے تھے۔ بظاہر ہم نے یہ سوانگ اسی لئے رچایا تھا کہ دُشمن کو یہ سب کچھ ایک تماشا دکھائی دے۔ ہمیں اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر جنگل سے آنے والی ایک گولی بھی اسلحہ کے کسی بکس کو لگ گئی تو اس کا مطلب ..... نہ صرف میزوشیما کے لئے جو بکس پر کھڑا ہوا تھا بلکہ ہم سب کیلئے موت کا پیغام تھا۔

گاڑی آگے سرکنے لگی۔ ہمیں اس کے راستے سے پتھروں کو ہٹانا ہوتا یا اسے کندھوں سے اوپر اُٹھا کر آگے بڑھنا ہوتا۔ پھولتی سانسوں کے باوجود۔ ''ہانیو نو یادو'' کے بل بوتے پر ہم نے اپنی سی ساری کوشش کر لی تھی۔ گاڑی کے اوپر میزوشیما ہمیشہ کی طرح چاق وچوبند بیٹھا اپنا خاص

الہ موسیقی یعنی ستار بجاتا رہا۔ ''ہانیونو یادو'' ایک مدھم غمگین نغمہ ہوتا ہے جو ہر شخص کے دل پر اثر کرتا ہے۔ ہماری آوازیں گھلی ملی تھیں۔ اس لئے وہ مدھم اور اونچی آواز کا مرکب تھیں۔ آخر کار گاڑی ہماری منزل مقصود سے کوئی چار یا پانچ گز کے فاصلے تک آ گئی تھی۔ رات اور زیادہ گہری ہوگئی تھی۔ گرم خطوں میں رات ایک دم ہے جیسے ہی سورج افق سے نیچے آتا ہے گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔ یہ بات ہمارے لئے بڑے فائدے کی تھی۔ ہماری ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ ہم لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروپ ادھر ادھر اپنی رائفلوں کی لبلبی پر انگلیاں جمائے تیار بیٹھے تھے۔ کپتان کا اپنا ہاتھ تلوار پر تھا اور وہ دُشمن کی سمت نظریں جمائے بیٹھا تھا اور حملہ کرنے کا حکم دینے کو تیار تھا۔ گاڑی جیسے ہی محفوظ مقام پر پہنچی ہم لوگ ''ہانیونو یادو گیت کے آخری حصے پر پہنچ چکے تھے۔

اچانک کپتان نے اپنی تلوار کھینچ لی اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے جو گاڑی لیکر آئے تھے گانا بند کر دیا اور ہم نے اپنی رائفلیں سنبھال لیں۔ خاموشی کے اس مختصر سے وقفے کے دوران بہت نیچے وادی میں بہنے والے دریا کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ پرندے، جواب سے چند منٹ پہلے چہچہا رہے تھے۔ اب گہری نیند سو چکے تھے۔

کپتان نے اپنی تلوار بلند کی۔ فوجیوں نے سر جھکا لئے۔ وہ جنگی نعرہ بلند کرنے اور حملہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ لیکن ٹھیک اسی وقت کپتان نے اپنی کمان پر ایک نظر ڈالی وجدانی کیفیت میں کھڑا ہو گیا۔ ایک عجیب سی بات ہوگئی تھی۔ جنگل کی فضاؤں سے باہر دور کہیں سے ایک آواز آ رہی تھی۔ کوئی ذوق وشوق سے ''ہانیونو یادو'' گا رہا تھا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھنا شروع کیا تو کپتان نے فوراً اسے دبوچ لیا اس نے اپنے بازو پھیلائے اور دوسروں کو بھی آگے بڑھنے سے روک دیا۔

''ٹھہرو'' وہ چیخا۔ ''وہ آواز سنو!'' جنگل سے آنے والی اس آواز میں اب دو یا تین آوازیں بھی شامل ہوگئی تھیں۔ یہ ''ہانیونو یادو'' تھا جو انگریزی میں ''ہوم ہوم سوئیٹ ہوم کہلاتا ہے۔

ہم نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ جنگل میں جو لوگ ہیں کیا وہ ہمارے دُشمن فوجی نہیں ہیں؟ مگر وہ لوگ گاؤں والے بھی نہیں ہو سکتے! لیکن اب ہمیں اتنا زیادہ متفکر ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم نے سکون کا سانس لیا اور اپنی بندوقیں نیچی کر لیں۔

اب سارا جنگل گانے کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ حتیٰ کہ کورس کی آواز دریا کے اوپر نکلی ہوئی ایک چٹان پر بھی سنائی دی۔ ہم بھی اس گانے میں شامل ہو گئے اور گانے لگے۔

MashalBooks.org

چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ ہر شئے اس کی ٹھنڈی روشنی میں نیلی لگ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے درختوں کے درمیان شیشے کے چمک دار روشن ستون ہوں۔ سامنے جنگل سے انسانوں کے سائے ایک ایک کر کے دوڑتے ہوئے باہر کھلی جگہ میں آرہے تھے۔ وہ برطانوی فوجی تھے۔

یہاں وہاں، ہر طرف چھوٹے چھوٹے گروپوں میں جمع ہو کر انہوں نے ہوم سوئیٹ ہوم گایا اور سچے جذبوں کے ساتھ گایا۔ ہم ہمیشہ سے ہانیونویادو کو ایک جاپانی نغمہ سمجھتے رہے تھے۔ لیکن اصل میں یہ ایک قدیم سریلا انگریزی نغمہ ہے۔ انگریز اسے وطن کی محبت سے سرشار ہو کہ فخریہ گاتے ہیں اور اپنے پیارے وطن، اپنے گھر کی خوشیوں میں مگن رہتے ہیں۔ جب کبھی وہ اسے سنتے ان کے بچپن کی یادیں تازہ ہو جاتیں وہ اپنی ماؤں اور ان مقامات کے بارے میں جہاں وہ پروان چڑھتے تھے، سوچنے لگتے ، انگریز اپنے دُشمن کو جسے اُنہوں نے برما کے بلند پہاڑوں میں گھیر لیا تھا یہ نغمہ گاتے دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

اب ہم آپ میں دُشمن نہیں رہے تھے جیسے لڑائی کبھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ ہمیں احساس ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں ہم اکٹھے مل کر گا رہے تھے۔ اور آ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ بالآخر ہم نے کھلی جگہ پر میدان کے عین بیچ میں ایک الاؤ جلایا اور اس کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ ہمارا کپتان اپنی چھڑی سے ہدایت دے رہا تھا اور ہم سب مل کر کورس گا رہے تھے۔

لمبے قد کے ایک ہندوستانی فوجی نے اپنے خاندان کا ایک فوٹو گراف نکالا اور آگ کی روشنی میں اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ وہ سفید پگڑی اور سیاہ داڑھی کے ساتھ ایک بارعب شخص دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اس کی آنکھیں اتنی بھولی بھالی اور معصوم تھیں جیسے کسی میمنے کی۔ اس نے ہمیں فوٹو گراف دکھایا۔ اس کی بیوی اور ہنستے مسکراتے دو بچے ایک ناریل کے درخت کے نیچے کھڑے تھے ..... اس نے بتایا وہ کلکتے کا ایک تاجر تھا۔

ایک فوجی نے ، جس کی شہرت کی ہم شناخت نہیں کر سکے، ہم لوگوں سے اپنے اہل خاندان کی تصاویر دکھانے کو کہا۔ ہم میں سے ایک شخص نے اپنی والدہ کا فوٹو نکالا، دوسرے فوجی نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنا سو بھر آئے۔

سرخ وسفید چہرے والے ایک انگریز فوجی نے گانا شروع کر دیا ''اگر دو جسم باہم ملیں تو''

MashalBooks.org

ہمارے آدمیوں میں سے ایک نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ جاپانی میں گا رہا تھا۔ پھر انگریز فوجی نے اپنے بازو ہمارے اس آدمی کے کندھے کے گرد حمائل کر دیئے اور پھر دونوں تھرکنے لگے۔ جاپانی فوجی نے انتہائی بلند آواز میں گانا شروع کیا۔ ہم سب ایک بار پھر مل کر گانے لگے۔

میزوشیما نے اس گانے میں بھی برابر کی سنگت دی اور انگریز فوجیوں نے اس کی پرزور داری۔ جیسے ہی اس نے ستار پر وہ نغمہ چھیڑا تو آگ کی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب رواں تھا جو اس کے گالوں پر بہہ رہا تھا۔ جب ہم ایک ساتھ گا رہے تھے تو اس وقت ہر شخص کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اس رات ہمیں معلوم ہوا کہ جنگ تو تین دن ہوئے بند ہو چکی ہے۔ لیکن برطانوی فوجیوں کے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ اپنے دُشمن کو اس بات کی خبر دیتے۔ وہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ شاید مزاحمت ختم کرنے کیلئے انہیں ہمارا صفایا ہی کرنا پڑے گا۔ جنگ بندی کی خبر سنتے ہی ہم نے اپنی بندقتیں پھینک دیں۔

MashalBooks.org

ہراطوطا

MashalBooks.org

پہلا باب

اس روز ہم نے اپنی بندقیں پھینک دیں اور برطانوی افواج کے قیدی بن گئے۔ ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ اسی رات کپتان نے ہمیں اکٹھا کیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اور رک رک کر باتیں کیں ہم خاموش سے سنتے رہے۔

''ہم ہتھیار ڈال چکے ہیں'' اس نے کہنا شروع کیا۔'' نہ صرف ہم، بلکہ سارا ملک۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے نہیں معلوم ہم لوگوں کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہوگا۔ ہمیں کہاں لے جایا جائے گا۔ یا ہمیں کیا کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ہمیں زندہ بھی رہنے دیا جائے گا یا نہیں۔''

''یہ کہنا مشکل ہے کہ جاپان کس حالت میں ہے۔ طویل عرصے سے اپنے ملک کے ساتھ ہمارا کوئی رابطہ نہیں۔ جب سے ہم ان پہاڑوں میں آئے ہیں رابطہ بحال کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ دُشمن کے جہازوں سے گرائے جانے والے اشتہاروں اور اخباروں کے مطابق ہمارے ملک پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بمباری کی گئی ہے۔ اور بہت سے لوگ جلا دیئے گئے یا زخمی کر دیئے گئے ہیں یا بھوک سے مر رہے ہیں۔ یہ سب پروپیگنڈہ تو نہیں ہوسکتا۔ ہمارے ہم وطنوں کو بہت مصیبتیں سہنا پڑ رہی ہوں گی۔ اس کا سوچ کر ہی دل بھر آتا ہے۔

''ہمارا ملک برباد ہو چکا ہے اور یہاں ہزاروں میل دور ہم جنگی قیدی بنے ہوئے ہیں بھلا

اس کا تصور کون کرسکتا تھا؟ میرا ذہن میرا ساتھ نہیں دیتا۔ میں خود سے پوچھتا ہوں کیا واقعی یہ سب کچھ ہوگیا ہے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔صرف ایک صدمے کا احساس ہے جو دل کو محسوس رہا ہے۔

''ہوسکتا ہے وقت کے ساتھ صدمہ غم وغصے میں بدل جائے۔ پھر ہم نا اُمیدی اور شک حتیٰ کہ غصہ اور تلخی محسوس کریں گے۔لیکن آج ہم اس وقت تک کسی بات پر یقین نہیں کر سکتے۔ جب تک ہمیں حقائق معلوم نہیں ہوجاتے۔ ویسے سچی بات یہ ہے کہ کافی عرصہ پہلے مجھے شک سا ہونے لگا تھا کہ ہمارا خاتمہ شاید اسی طرح ہوگا۔لیکن اب تو یہ ہو ہی چکا اب تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ہمیں کچھ نہیں معلوم۔

''ہم لوگ اس وقت جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ انتظار کریں اور دیکھیں کہ مستقبل ہمارے لئے کیا نوید لاتا ہے۔ ہمارا نصیب ہی ہمارے خلاف ہوگیا ہے۔اس سے لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔اگر نجات کا کوئی راستہ نہیں تو بہادری یہ ہے کہ ہم اپنی صورت حال کا ایمانداری سے جائزہ لیں، جو کچھ مقدر میں لکھا ہے اسے قبول کریں۔کم از کم یہ کرنے کی تو ہم میں ہمت ہونا چاہیے۔

''جہاں تک مجھے علم ہے، ہماری حالت مایوس کن ہے۔ وہ ہمارے لئے خاصی بھیانک اور بے رحم دکھائی دیتی ہے۔ لے دے کر ہمارے پاس ایک دوسرے پر اعتماد اور اعتبار ہی باقی رہ گیا ہے۔صرف یہی ایک چیز ہے جس پر ہم بھروسہ کر سکتے ہے! بس یہی سب کچھ ہے ہمارے پاس۔

''اس لئے ہمیں اپنی مصیبتیں ، رنج والم اور دکھ درد آپس میں بانٹتے رہنا چاہیے، ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے، اب تک ہم نے ایک ساتھ موت کا سامنا کیا ہے، ہمیں اسی راستے پر چلنا چاہیے۔ جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔ہمیں مشکلات کیلئے تیار رہنا ہے ہوسکتا ہے ہماری موت برما میں ہی لکھی ہو۔اگر وہ وقت آجاتا ہے تو ہم سب کو ایک ساتھ مرنا چاہیے۔اس وقت تک ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہم نا اُمید نہ ہوں۔ہمیں کسی طرح زندہ رہنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔اور خوش قسمتی سے اگر وہ دن کبھی آجائے جب ہم جاپان واپس جاسکیں تو ہمیں اکٹھے واپس جانا چاہیے۔ہم میں سے ہر شخص کو .....اپنے ملک کی دوبارہ تعمیر وترقی کیلئے مل جل کر کام کرنا چاہیے۔ فی الحال کہنے کیلئے میرے پاس بس یہی

کچھ ہے۔''

ہمارے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور ہم سناٹے کے عالم میں زمین پر بیٹھ گئے۔ ہر شخص زمین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا اور اپنے ذہن میں سوچ رہا تھا کہ کپتان جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔

مجھے یاد ہے جب ہم جاپان سے روانہ ہوئے تھے تو لوگوں کے نعرہ تحسین ہمارے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس وقت ہم کتنے پر جوش تھے۔ ہمارے دلوں میں کیسی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ حالانکہ اس وقت بھی سارا ملک پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ ہر شخص اپنی طاقت کے بارے میں ڈینگیں مار رہا تھا۔ لیکن ہمارے الفاظ محض کھوکھلے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم نشے میں چور دھونس جمانے والے ہوں۔ یہ ایک بہت ہی دل دکھانے والی یاد تھی۔ شرم سے میرا بدن جلنے لگا۔

یکا یک کوئی شخص سسکیاں بھرنے لگا۔ ہم سب بھی اتنے اداس ہو گئے تھے کہ ہم نے بھی رونا شروع کر دیا۔ ہم کسی چیز کے بارے میں رنجیدہ نہیں تھے۔ بس یہ تھا کہ ہم خود کو بے کس اور بے یار و مددگار محسوس کرنے لگتے تھے۔

عام طور پر ہم اس وقت ضرور گاتے تھے جب افسردہ، وناخوش ہوتے تھے، لیکن اس رات ہم نے ایسا نہیں کیا۔ ہم لوگ وہیں فرش پر سونے کیلئے لیٹ گئے۔ ہم نے اپنے سامان کو تکیوں کے طور پر استعمال کیا۔ بندوقیں، جن کی حفاظت ہم بڑی چوکسی سے کرتے آئے تھے اب ہم سے لی جا چکی تھیں۔ یہ مختصر اور بے آرامی کی رات تھی۔

اس کے بعد ہم نے بہت سے دن عجیب حالت میں گزارے۔ گو ہم انتہائی مصروف تھے مگر ہمارا دل بے حس تھا۔ اپنے ہتھیار اور ساز و سامان کو چالو حالت میں رکھنے، انہیں دُشمن فوج کے سپرد کرنے، ٹرانسپورٹ کرنے، مختلف رپورٹیں لکھنے، تحقیقات کرنے اور سامان خورد و نوش کی دیکھ بھال کرنے میں ہم ایسے دوڑتے بھاگتے رہے کہ سوچنے کا وقت نہیں ملا۔

جب میں اس زمانے کو یاد کرتا ہوں تو ایک خاص واقعہ ہمیشہ میرے ذہن میں ابھرتا ہے۔ برطانوی فوجیں اس گاؤں میں تین یا چار دن ٹھہرنے کا فیصلہ کر چکی تھیں اور ہم قیدیوں کو گھٹیا اور رذیل قسم کے کاموں پر لگا رکھا تھا۔ ایک صبح ہم میں سے کئی لوگ کے۔ پی (K.P) ڈیوٹی پر مامور تھے۔ ہمیں کھانا پکانے کے لیے کچھ چوزوں کے پر نوچ کر تیار کرنا تھا۔ یہ چوزے فوجیوں کو گاؤں والوں نے فراہم کئے تھے۔

ایک ٹوکری چوزوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ چوزے اپنے سر جال کے پھندوں سے باہر نکالتے اور پریشانی کے عالم میں اپنے کیسوں کو جھٹکا دیتے اور ادھر ادھر دیکھتے۔ برمی باروچی ایک دفعہ میں ایک چوزہ ٹوکری میں سے پکڑتا، اسے ایک پتھر پر لٹاتا اور ''داہ'' کے ایک وار سے اس کی گردن اڑا دیتا۔ ''داہ'' کلہاڑی جیسا ایک اوزار ہوتا ہے جسے لوگ اپنی کمرے سے باندھے رکھتے ہیں۔

باروچی چھالیہ چباتا جاتا اور اسی کا ہلی کے ساتھ جس طرح وہ کام کیا کرتا سرخ رنگ کی پیک تھوکتا جاتا۔ چھالیہ تاڑ کے درخت کا ایک پھل ہوتا ہے۔'' جنوبی مشرقی ایشیا کے لوگ اسے چیونگم کی طرح چباتے ہیں، یہ سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور دانتوں، ہونٹوں اور منہ کو ایک ناخوشگوار سے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ باورچی یکے بعد دیگرے چوزوں کی گردنیں کاٹتا رہا اور ہم ان کے پرنوچتے رہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک چوزے نے جس کا سر ابھی کٹا تھا، پھڑ پھڑانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے پر پھڑ پھرتا اور روئیں دار نرم و ملائم پر بکھیرتا چاروں طرف چھلانگیں مارنے لگا ..... اس سے ہمیں اتنا تعجب ہوا کہ ہمارے ہاتھوں سے چوزے چھوٹ گئے یہ سب جیسے زندہ ہو گئے اور بغیر سروں کے ایک دائرے میں گھومنے لگے۔

تقریباً ایک درجن چوزوں کے کٹے ہوئے سر زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ ان سب کی نظریں بیمار بیمارسی اور ملامت آمیز تھیں۔ ان کی چونچیں کھلی ہوئی تھیں اور سفیدی مائل پپوٹے بند تھے۔ لیکن سروں کے بغیر ان کے جسم ابھی تک زندہ تھے۔ ان کے خوبصورت، نرم اور چمک دار پر پھڑ پھڑا رہے تھے۔ وہ مدہوشوں کی طرح ادھر سے ادھر ہلتے جلتے گرتے پڑتے جالا بنتے بالآخر جھاڑیوں میں چلے گئے اور تھرتھراتے، کانپتے گھاس پھوس میں دبک گئے۔

یہ انوکھا منظر دیکھنے کیلئے ہر شخص وہاں آ گیا تھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے ہنسی اڑانے کی کوشش کی لیکن دوسروں نے اس بات کو ناپسند کیا ..... ''کیا خیال ہے تمہارا؟ سر کے بغیر اس طرح چکر لگاتے ہوئے کیسا محسوس ہوتا ہوگا؟'' کسی نے مذاق میں پوچھا۔ اس وقت کپتان میزوشیما کو تلاش کرتا وہاں آ گیا۔

''میزوشیما تم کہاں ہو؟'' اس نے زور سے آواز دی۔ میزوشیما دوڑا دوڑا آیا۔ ''ہمیں ابھی ایک خفیہ اطلاع ملی ہے۔'' کپتان نے اس سے کہا۔ ''وہ پہاڑ دیکھتے ہو''؟ اس نے دور

فاصلے پر پہاڑی سلسلوں میں سے ایک تکونی پہاڑی چوٹی کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں کچھ جاپانی فوجی دستے گھیرے میں آ چکے ہیں۔ شاید وہ کبھی ہتھیار نہ ڈالیں۔ تین دن سے متواتر برطانوی فوجیں ان پر حملہ کر رہی ہیں لیکن وہ ابھی تک لڑ رہے ہیں۔ میں ایک برطانوی فوجیں ان پر حملہ کر رہی ہیں لیکن وہ ابھی تک لڑ رہے ہیں۔ میں نے ایک برطانوی افسر سے کہا کہ وہ ہم میں سے کسی ایک شخص کو وہاں جانے اور ان سے بات کرنے کی اجازت دیدے تا کہ انہیں ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ میں نے اسے بتایا کہ فضول جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ جسے روکنے کیلئے ہم سے جو کچھ بھی ہو سکے ہمیں کرنا چاہیے اس نے کہا ''ہاں ہم کوشش کر سکتے ہیں۔ تو پھر کیا خیال ہے۔ میزوشیما، کیا تم وہاں جا کر انہیں ہتھیار ڈالنے پر مائل کر سکتے ہو؟ اگر تم نہیں جاتے تو میں جاؤں گا۔''

ہم سب لوگوں نے تکونی چوٹی کی جانب دیکھا جو تقریباً آدھے دن کی مسافت پر واقع تھی اور سیامی سرحد سے نزدیک تھی۔ اس کا بھورا خاکستری رنگ کا سرا گھنے جنگل سے باہر نکلا ہوا تھا۔ ہم نے اپنے کان ادھر لگا دیئے اور سننے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی دھماکہ سننے میں نہ آیا۔ نیچے وادی کے گاؤں میں سے کہیں کہیں دھوئیں کے ہلکے ہلکے بادل اُٹھ رہے تھے۔ یا شاید یہ صرف ہمارا تصور ہی ہو لیکن اس چوٹی کے نزدیک فضا زردی مائل اور گدلی دکھائی دی۔ وہیں ہمارے درجنوں ساتھی ایک فضول سی موت کو دعوت دے رہے تھے اس بات کا ہمیں شدت سے احساس تھا۔ اس کیلئے ہم چوٹی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے۔

میزوشیما نے چند لمحوں کے لیے سوچا اور پھر مستعدی سے جواب دیا ''میں جاؤں گا۔'' پھر بولا۔ ''یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں یہ کام کس طرح انجام دوں گا۔ لیکن حالات کا جو بھی تقاضہ ہوگا میں وہی کروں گا۔''

''ٹھیک'' کپتان نے کہا۔ ''ہماری کمپنی مودان کے جنگی قیدیوں کے کیمپ بھیجی جا رہی ہے جو جنوبی برما میں واقع ہے۔ جب تم اپنا مشن ختم کر لو تو ہمارے پاس وہیں آ جانا۔ برطانوی افسر کہتا ہے وہ تمہیں ہم سے دوبارہ آ ملنے کی اجازت دیدیں گے۔'' دونوں نے ایک دوسرے کو سیلوٹ ماری۔

میزوشیما جانے کیلئے فوراً تیار ہو گیا۔ اس نے ہلکا لباس زیب تن کیا۔ نہ کوئی ہتھیار ساتھ لیا اور نہ کوئی عہدے کا امتیازی نشان لگایا۔ کپتان نے اپنے جوتے اتارے جو ابھی بہت اچھی

MashalBooks.org

حالت میں تھے۔اور اصرار کیا کہ میزوشیما اس سے اپنے جوتے بدل لے۔ پھر اس نے میزوشیما کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔اپنے طور پر ہم نے یہ کیا چپکے سے اس کے راشن میں بھنی ہوئی مرغی کی ٹانگ رکھ دی۔

دس منٹ بعد ہم نے میزوشیما کو ایک برطانوی اور گائیڈ کے ہمراہ ڈھلوان چٹان پر کافی نیچے ایک پگڈنڈی پر جاتے دیکھا۔میزوشیما کی کمر سے بندھی ہوئی پیٹی میں راشن رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے کندھے پر ستار تھا۔ جب اس نے ہمیں ہوا میں اپنی ٹوپیاں لہراتے دیکھا تو وہ مسکرایا۔اپنا ہاتھ اُٹھا کر ستار لہرایا اور اس کی تانت پر ایک زوردار ضرب لگائی۔

ہم نے اسے جاتا دیکھا تو سوچا کہ میزوشیما ہی ایسا شخص ہے جو اس کام کو انجام دے سکتا ہے اس کا مشن یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

MashalBooks.org

دوسرا باب

برطانوی فوج کے احکام کے تحت ہماری کمپنی پہاڑوں سے میدانوں میں آئی پھر دریائے سیتانگ میں کشتی اور آخر میں ٹرین اور ٹرک کے ذریعے مودان چلی گئی۔ وہاں ہمیں جنگی قیدیوں کے کیمپ میں ہمارا ڈر اور خوف جلد ہی ختم ہو گیا ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے ملک کو شکست ہو چکی ہے بلکہ وہ تقریباً تباہ ہو چکا ہے۔ لیکن مکمل طور پر نہیں اور یہ کہ ہم قیدیوں کو کسی دن واپس ضرور جانا ہے۔

وطن واپس جانے کے انتظار میں ہم نے مودان میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔ ہمارے کوارٹرز ایک سادہ سے ''نیپاہ'' ہاؤس پر مشتمل تھے۔ یہ بانسوں کے کھمبوں پر بنی ہوئی ایک جھونپڑی تھی جس فرش زمین سے بہت اونچا ہوتا ہے اور اس کی چھت گھاس پھوس کی بنی ہوتی ہے۔ ہماری جھونپڑی میں ہوا کے گذرنے کا اتنا انتظام تھا کہ سلین زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمیں بستروں کے بغیر سونا پڑتا تھا۔ لیکن ایسی شدید گرم آب وہوا میں یہ واقعی کوئی پریشان کن بات نہ تھی۔ جھونپڑی کے گرد بانسوں سے بنا ہوا ایک باڑا تھا جو نہ صرف ہمیں اندر رکھتا تھا بلکہ دوسروں کو بھی باہر رکھتا۔ ایک ہندوستانی سنتری دروازے پر کھڑا رہتا تھا اور جب کبھی اشیاء فروخت کرنے والے یا کسی اور شخص کو چوری چھپے اندر آتے دیکھتا تو وہ اسے خوف زدہ کرنے کیلئے خالی شاٹس فائر کر دیتا۔

اس طرح کے مورچوں کی ایک طویل قطار تھی۔ اور ہر ایک میں قیدیوں کا ایک ایک گروپ موجود ہوتا۔ تاہم دوسرے قیدیوں سے رابطہ پیدا کرنے سے ہمیں منع کر دیا گیا تھا۔ اس لئے ہمیں قطعی علم نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ اس قسم کے قواعد وضوابط پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا اس کے

علاوہ ہمارے ساتھ نرم برتاؤ کیا جاتا۔

کبھی کبھار عمارتوں کی تعمیر کیلئے یا درخت کاٹنے کے کاموں کیلئے ہمیں باہر نکالا جاتا تھا ورنہ مجموعی طور سے ہم یک رنگی اور اکتا دینے والی زندگی بسر کر رہے تھے ہمارے پاس کرنے کیلئے کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔

ہم نے ایک طویل عرصے سے ..... بلکہ دراصل برسوں سے اس طرح کے پر امن دن نہیں گزارتے تھے۔ ہمیں مستقل پریشان کیا جاتا رہا تھا۔ ہمارا پیچھا کیا جاتا رہا تھا، ہم ہمیشہ پریشانی کی حالت میں فکرمند رہتے تھے کہ اگلے لمحے پتہ نہیں کیا ہوگا۔ خاص طور سے ہمارا گذشتہ سال تو اندھا کر دینے والی چمک اور کان پھاڑ دینے والے دھماکوں میں گزرا تھا۔ اب یکا یک وہ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اب وہاں نہ بمباری تھی، نہ فوجی احکام اور نہ آدھی رات کو پلک جھپکتے تیار ہونے کی ضرورت تھی۔ روز بروز ہم اپنے چھوٹے ''نیپاہ'' ہاؤس میں خاموش بیٹھے نا ریل کے درختوں کے جھنڈ کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے۔ پہلے تو یہ بات ہمیں تقریباً نا قابل برداشت اور عجیب دکھائی دی بلکہ خالی بیٹھے بیٹھے ہمارے دل پر خوف طاری ہونے لگتا اور اعصابی تناؤ محسوس کرتے۔ لیکن آخر کار یہ گھبراہٹ ختم ہوگئی۔ اور ہم خاموش زندگی کے عادی ہو گئے۔

لیکن عین اس وقت جب ہم نے تھوڑا بہت آرام وسکون محسوس کیا ہمیں ایک اور قسم کی گھبراہٹ نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ اس بار ہماری فکروں کا سبب میزوشیما تھا جسے گئے اتنے دن ہو چکے تھے۔ شروع میں ہم پر اعتماد تھے کہ چند روز کے اندر میزوشیما ہم سے آملے گا۔ جب بھی دروازہ کھلتا ہم سمجھتے کہ میزوشیما ہمیشہ کی طرح چاق وچوبند، جوش وولولے کے ساتھ اندر سورہا ہے ہم لوگ اکثر دروازہ کو تکتے رہتے حتیٰ کہ بعض اوقات ہمیں خیال آتا جیسے ہم نے اس کے پاؤں کی چاپ سنی ہے۔

کیا بتائیں، کتنے طویل عرصے ہم اس کے انتظار میں رہے۔ لیکن وہ نہ آیا۔ ''معلوم نہیں میزوشیما کو کیا ہوا''؟ ہم اس کے ستار کے بغیر اچھی طرح نہیں گا بھی سکتے۔''

''صرف یہی نہیں، اس کے بغیر ہم سے کام بھی نہیں ہوتا۔ جب وہ ہمارے ارد گرد نہیں ہوتا تو کسی چیز میں مزہ نہیں آتا۔'' دن گذرتے گئے اور وہ نہیں آیا ہمارا انتظار رائیگاں گیا۔ ہم سوچتے کہ وہ تکونی چوٹی تک پہنچ بھی پایا کہ نہیں، ان لوگوں کو خودکشی سے روک بھی سکا کہ نہیں، ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا، اس وقت ہمیں پورا یقین تھا کہ میزوشیما یہ کام انجام دے سکتا ہے۔ اب ہمیں

MashalBooks.org

اندازہ ہورہا تھا کہ اسے جو کام سپرد کیا گیا تھا وہ کتنا خطرناک تھا، ہمیں تو یہ بھی خطرہ تھا کہ ہتھیار ڈالنے کے لیے اصرار کرنے پر خود ہمارے فوجیوں نے ہی اسے مار ڈالا ہو۔

جیسے جیسے دن گذرتے گئے ہم اس کے مشن میں حائل خطرات کے زیادہ سے، زیادہ قائل ہوتے گئے۔ ہم صرف یہ دُعا کرتے تھے کہ وہ بحفاظت واپس آجائے، خواہ وہ اپنے کام میں ناکام ہی کیوں نہ ہوا ہو۔

کپتان نے ہمارے ان خیالات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہا۔ ''مجھے یقین نہیں کہ اسے مار ڈالا گیا ہوگا۔ اس علاقے میں زبردست لڑائی ہورہی ہے۔ اس لئے وہ زخمی ہوگیا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہیں اس کا علاج معالجہ ہورہا ہو کاش ہمارے پاس زخمی ہوگیا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہیں اس کا علاج معالجہ ہورہا ہو کاش ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہوتا جس سے ہم اس کی خبر کہیں معلوم کرلیتے۔ یقیناً ضرور وہ کسی خطرے میں گھر گیا ہوگا۔ میری تو دُعا یہ کہ کوئی بڑا خطرہ نہ ہو۔'' ہم سب لوگ فکرمند تھے۔ میزوشیما کی کوئی خبر نہ تھی۔ ہر شخص اسی کے متعلق باتیں کرتا رہتا۔ چونکہ ہم ابھی تک قیدی تھے اس لئے ہم کسی کو معلومات کیلئے باہر بھیج کر اپنی پریشانی دور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ کئی مہینے اسی طرح گذر گئے۔

جب کسی عمارت کی تعمیر یا درخت کاٹنے کا کام ہمارے پاس نہ ہوتا تو ہم خالی بیٹھے میزوشیما کی باتیں کرتے رہتے۔ ہم وہ دن ناریل کے درختوں کے جھنڈ میں احاطے کے پیچھے اپنے مکان کی مرمت کرنے کیلئے سامان اکٹھا کرنے میں گذارا کرتے ہمارا جھونپڑا شدید بارشوں اور طوفانوں کے سبب بار بار تباہ ہوجاتا تھا۔ ایک دن میں ناریل درختوں کے جھنڈ میں ہم وہ چیزیں اکٹھی کرلیا کرتے جن کی ضرورت ہمیں کسی بھی قسم کی مرمت کے دوران پڑسکتی تھی۔ ناریل کے درخت کا تنا کافی سخت اور لمبا ہوتا ہے۔ جسے کھمبے اور ستون کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کے پتے چھت ڈالنے کے کام آتے ہیں۔ اور ناریل کے موٹے خول کے ریشوں کو بل دے کر ایک مضبوط اور دیرپا رسہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس کی مدد سے آپ باآسانی ایک سادہ سے نیپاہاؤس کی پیوندکاری کرسکتے ہیں، خواہ وہ کتنی ہی بری طرح تباہ ہوچکا ہو۔

درحقیقت ناریل کے درخت کا ہر حصہ ہمارے کام کا تھا۔ ہم نے گھر کی ضروریات کی طرح طرح کی چیزیں اس سے بنائیں۔ ناریل کا ریشہ دار خول رگڑ رگڑ کر صاف کرنے والے برش بنانے کے کام آتا ہے۔ اگر ہم اس کے خول کو آدھا آدھا کریں تو ہمارے پاس دو پیالے

ہو جاتے ہیں، اگر ہم ان میں سے ایک کے ساتھ ایک ہینڈل لگا دیں تو ڈبو کر نکالنے کا ایک برتن بن جاتا ہے۔ ناریل کے سخت اور گول خول سے مختلف قسم کی بہت سی اور چیزیں بنائی جا سکتی ہیں۔ یا اس کے ریشے نکال کر اور انہیں بل دے کر ایک کھردری سُتلی بنائی جاتی ہے جسے کچھ فوجی ٹوکریاں اور چھلنیاں بنانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے باروچی خانے کے عام استعمال کے برتن درختوں میں لٹکے ہوں۔ اس کے علاوہ ناریل کے پتوں کو باندھ کر ہم جھاڑو بنا لیتے۔ ناریل کے درخت پر ہر مہینہ پتوں کا ایک گچھا آتا ہے اور اس سے ایک گچھا جھڑ جاتا ہے چنانچہ درخت پر پتوں کی کل تعداد برقرار رہتی ہے۔ یہ بات یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ ناریل کا ہر ایک درخت ایک ماہ میں ایک جھاڑو فراہم کرتا ہے۔

ناریل اپنی غذا قدر و قیمت کیلئے بھی مشہور ہے۔ اس کے اندر ٹھنڈا اور پتلا سیال مادہ بھرا ہوتا ہے، جس سے تھوڑے کچے پن کی بو آتی ہے۔ لیکن ذائقے میں اچھا اور لذیذ ہوتا ہے۔ وہ لوگ انگریزی میں اسے دودھ کہہ کر پکارتے ہیں۔

سفید ناریل کے گودے یا کھوپرے سے تیل کشید کیا جاتا ہے۔ دوسری اشیاء میں تیل سے مارجرین اور صابن تیار ہوتا ہے۔ کھوپرہ بہت زیادہ غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اسے کچا بھی کھا سکتے ہیں۔ مقامی باشندے اسے کدوکش کر کے کھاتے ہیں۔

اسے دوسری چیزوں پر بھی چھڑکا جاتا ہے۔ اسے گندھے ہوئے آٹے میں ملا کر رول کیا جاتا اور پکایا جاتا ہے۔ آپ ناریل کے پھولوں کی ڈنڈیوں اور ڈنٹھلوں سے نچوڑے گئے عرق کو ابال کر اس سے شکر بھی بنا سکتے ہیں۔ پام کے درختوں کی کچھ اقسام کے تنوں سے نشاستہ بھی حاصل کیا جاتا ہے۔

ناریل کے درخت سے شراب بھی بنائی جا سکتی ہے۔ آپ ناریل کے تنے میں ایک شگاف ڈال دیں اور اس کے اندر بانس کی ایک نلکی لگا دیں جیسے ہی عرق یا رس اس نلکی میں جمع ہو جاتا ہے، قدرتی طور پر اس کا خمیر اُٹھتا ہے اور جلد ہی وہ ایک مزیدار شراب بن جاتی ہے۔ لیکن چونکہ بری لوگ شراب نہیں پیتے۔ اس لئے ہم نے کبھی انہیں شراب بناتے نہیں دیکھا۔ یہ طریقہ کار ڈچ ایسٹ انڈیز میں رائج ہے۔ جہاں بہت سے جاپانی فوجیوں نے یہ طریقہ سیکھا اور ناریل کی شراب سے لطف اندوز ہوئے۔ ہماری کمپنی میں ایک شخص تھا جسے شراب اتنی پسند تھی کہ وہ خفیہ طور پر بانس کی نلکیاں ناریل کے تنے میں لگا کر چھوڑ دیا کرتا۔ کبھی طوفان آتا تو اسے بہت خوشی

ہوتی ۔ کیونکہ چھت کی مرمت کے بہانے اسے درختوں پر چڑھنے کا موقع ملتا جہاں بانس کی نلکیوں میں اس کی شراب جمع ہوتی تھی۔ ناریل کا درخت یقیناً ایک بیش بہا خزانے سے کم نہیں ہے یورپ کی ایک کہاوت ہے کہ اگر کسی کسان کے پاس صرف ایک گائے ہو تو اس ے پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میرے نزدیک ناریل کے درخت کو گرم خطے کے ممالک کی گائے کہنا مناسب ہوگا۔

ایک دن جب ہم ناریل کے درختوں کے جھنڈ میں ایک درخت گرا کر اس سے رسی بنانے ، پتے چھانٹنے اور ناریل میں سوراخ کرنے میں مشغول تھے تو شراب کا سیا فوجی چپکے سے کہیں ادھر ادھر کھسک لیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ سرخ تھا اور مزے لے لے کر ایک برمی گیت گائے جا رہا تھا۔

معمول تو یہ تھا کہ جب کوئی شخص گانے لگتا تو بقیہ ہم سب لوگ اس کا ساتھ دیتے لیکن اس بار ہم مکمل خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہے۔

ہمیں یاد آ رہا تھا کہ میز و شیما سکاؤٹنگ کیلئے جاتا تو یہی گیت گایا کرتا تھا۔

مدہوش فوجی تو یہ دھن فی البدیہہ گنگنا رہا تھا۔ لیکن ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ۔ یہ آوازیں کہیں بہت دور جنگل کی گہرائیوں سے ستار کے ساتھ آ رہی ۔ تصور میں ہم نے دیکھا جیسے جنگل جسے ہمارے سامنے ہے، پرندے، اونچی اڑانیں کر رہے ہیں اور لنگی باندھے میز و شیما درختوں کے جھنڈ میں روپوش ہو رہا ہے۔

کپتان جو دیوار میں پیوند کاری کیلئے ناریل کے پتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بن رہا تھا کہ ایک دم بڑبڑانے لگا ''مجھے خود چلا جانا چاہیے تھا'' اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں اور بے خیالی میں اس نے اپنے ہونٹ کاٹ لئے۔ ہم لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس کے اس طرح بڑبڑانے کا کیا مطلب ہے۔ دراصل وہ ایسے خطرناک مشن پر اپنے نوجوان ماتحت کو بھیج کر بہت افسردہ تھا اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا۔

ایک ہولناک طوفانی رات کو جب موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ ہوا کے تھپیڑوں سے باہم گلے مل کر گویا ماتم کر رہے تھے، اس دوران جب کوئی ناریل زمین پر بد سے گرتا تو ہوا کی سائیں سائیں میں ایک شور سنائی دیتا۔ وقفے وقفے سے یہ شور شرابہ اسی طرح رات بھر جاری رہا۔ ہم اندھیرے میں لیٹے یہ شور سنتے رہتے۔ ایسے میں بھلا نیند کیسے آسکتی

تھی۔

''پھر کوئی ناریل بھد سے گرا۔'' ایک فوجی بڑبڑایا۔'' ملعون ومکروہ ناریل کے درخت ساری رات قطرہ قطرہ کر کے اپنا دودھ ٹپکاتے رہتے ہیں۔'' عین اسی وقت کسی شخص نے دھیمی آواز میں گانا شروع کر دیا:

''ناریل کے درخت، تنہا جزیرے میں تم سو کیوں نہیں جاتے؟ .....

ہوا چیختی چلاتی رہی'' دوسرا ناریل گرا'' ایک شخص نے سر اُٹھا کر کہا۔ پھر ایک لمحہ کے بعد بولا'' یہ گیت میزوشیما کا پسندیدہ گیت تھا۔''

''خاموش!'' ایک آواز نے ڈانٹ پلائی۔'' ہمیں کل بھی کام کرنا ہے تھوڑی سی نیند لے لینے دو!''

میزوشیما ہمارے ذہنوں پر اتنا چھا گیا تھا کہ ہمیں ہر جگہ وہی نظر آتا تھا۔ ایک دن اس نے ہمیں واقعی چونکا دیا۔ یہ واقعہ مودان میں ہماری آمد کے تقریباً تین ماہ بعد کا تھا۔ ہماری کمپنی شہر کے نواح میں ایک پل کی مرمت کر رہی تھی۔ یہ ایک طویل کام تھا۔ تختوں کو ایک دوسرے کے پہلو میں رکھ کر کئی دریاؤں کی چوڑائی کو عبور کرنا تھا۔ کئی دن گدلے پانی میں کام جاری رہا۔ بالآخر، اپنا کام ختم کرنے کے بعد، ایک دوپہر شہر واپسی پر ہم لوگ پل پار کر رہے تھے کہ عین اسی وقت ایک برمی بھکشو ہمیں اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی پل پر ہم اس کے قریب سے گذرے یکدم ٹھٹھک گئے اس کی شکل ہو بہو میزوشیما سے ملتی تھی۔ بھکشو نوجوان تھا۔ اس کا سر منڈھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کشکول تھا، وہ جو گیا رنگ کا ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنے ہوئے تھا اس کے کاندھے پر ایک چمکیلا ہرے رنگ کا طوطا بیٹھا تھا وہ پڑوس کے گاؤں سے آ رہا تھا۔

وہ میزوشیما کی ہو بہو شبیہ تھی: درمیانہ قد، تندرست وتوانا، بڑی بڑی آنکھیں اور مضبوطی سے بھنچے ہوئے ہونٹ اس کا جسم سورج کی گرمی سے جھلسا ہوا سیاہی مائل تھا غالباً روزانہ کڑی دھوپ میں بھیک مانگنے کی وجہ سے ایسا ہو۔ اس کے سر پر جاپانی فوجی ٹوپی تھی اس لئے اور بھی اس پر میزوشیما کا گمان ہو سکتا تھا۔ وہ پریشان سا دکھائی دیتا تھا اور تھوڑا ناراض بھی ..... شاید اس لئے کہ ہم سبھی لوگ ایک کے بعد دوسرے اس کا چہرہ تک رہے تھے۔ اس کے چہرہ پر سنجیدہ تاثر حیرت انگیز طور پر میزوشیما جیسا تھا۔

تنگ پل پر ہمیں ایک قطار میں چلنا تھا۔ جوں ہی ہم ایک دوسرے سے بھنچے ہوئے، تنگی

کے ساتھ اس کے پاس سے گذرے تو سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور اس مشابہت پر ہنسنے لگے۔ آخر کار برمی بھکشو نے ہماری اس بدتمیزی کو نظر انداز کر دیا اور ایک ہاتھ سے طوطا پکڑے اپنی مغموم نظروں سے ہمیں دیکھتا خاموشی سے گذر گیا۔

پل پار کرنے کے بعد ہم نے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ بڑی تیزی سے مخالف کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب شہر سے دور جا رہا تھا۔ جلد ہی وہ درختوں کے پھیلے ہوئے جھنڈ میں غائب ہو گیا۔

اسی رات اپنی جھونپڑی کے فرش پر لیٹے ہم لوگ دیر تک بھکشو کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ''میزوشیما، جب کبھی سکاؤٹنگ کے لیے جاتا تو وہ اسی طرح کا لباس پہنا کرتا۔''

''جی چاہتا ہے اسے یہاں لاؤں اور ستار دے کر اس سے کہوں کہ خوب بجاؤ''

''ہم چاہتے ہیں اسے تمہاری آخری رسوم کے موقعہ پر یہاں مدعو کریں۔''

''کیوں دل لگی کرتے ہو؟ ..... لیکن یہ میزوشیما ہے کہاں؟''

MashalBooks.org

تیسرا باب

برمی بھکشو اکثر آتے جاتے مودان سے گذرتا۔ ایک دن حسب معمول اپنے کام پر جاتے ہوئے اچانک وہ ہمارے راستے میں آ گیا پھر ایک آدمی یکلخت پکار اُٹھا، ''اے، میزوشیما'' اور بھکشو جاتے جاتے رک گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا جیسے نظریں چار کرنے سے خوف زدہ ہو۔ وہ ہمارے گذرنے کا منتظر رہا۔ ہم نے لطف تو خیر اُٹھایا ہی لیکن پھر اداس بھی ہو گئے۔ ''اس کا مذاق مت اڑاؤ'' کپتان نے ہمیں تنبیہ کی ''دیکھتے نہیں وہ بے چارا کتنا خوف زدہ ہو گیا ہے۔

اس طرح ہم ہر دفعہ میزوشیما کی آس لگا لیتے اور اس کا شدت سے انتظار کرنے لگتے مگر وہ کبھی واپس نہیں آیا۔ ہمارے حوصلے جواب دے چکے تھے۔ بطور قیدی ہماری خستہ حال زندگی بہت زیادہ اداس اور بے کیف دکھائی دینے لگی تھی۔

ادھر ہمیں طویل مرطوب اور گھٹن پیدا کرنے والے موسم برسات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ موسلا دھار بارش رکے بغیر مسلسل کئی کئی دن ہوتی رہتی۔ بارش کا پانی مسلسل ہماری جھونپڑی کی چھت بہا کر لے جاتا رہا۔ ناریل کے درختوں کے جھنڈ بارش میں دھندلے دکھائی دیتے۔ جس طرح ایک گیلے کاغذ پر سیاہی سے کوئی ڈرائنگ بنا لی جائے۔ اور پھر اس تصویر پر ایک سیاہی چوس پھیر دیا جائے۔

بھلا یہ بھی کوئی زندگی تھی۔ ہم ایک روکھے پھیکے ماحول میں پست ہمتی کے ساتھ ایک عالم محویت میں رہتے تھے۔ ہم نے گانا ترک کر دیا تھا یوں اپنے چند آلات موسیقی سے بھی کنارہ کش ہو گئے تھے۔ لوگوں کی حالت آہستہ آہستہ ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ لوگ فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے اور اوپر آسمان کو تکتے رہتے۔ کچھ لوگ سارا دن فرش پر لیٹے لیٹے گذار دیتے۔ مایوسی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص جو بظاہر سوتا دکھائی دیتا تھا۔ کمبل میں روتا ہوا پایا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہم بات بات پر آپس میں لڑنے جھگڑنے لگتے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا

تھا۔''ارے، میرے بچے ہوئے کھانے کا کیا ہوا؟''''ایک شخص نے اپنا میس کا خالی ٹن ہلاتے ہوئے کہا۔''میں تو خود یہ راشن بندر کو کھلانے والا تھا۔''

تم بھی کسی کی شکایت کرنے لگے گذشتہ دو دن سے تو میں اسے اپنا راشن کھلاتا رہا ہوں، بتاؤ کیا میں نے ایسا نہیں کیا؟''

کپتان نے ہمیں خوش رکھنے کیلئے ایک بندر پال لیا تھا۔لیکن اب یہی بندر ہمارے جھگڑے کا سبب بن گیا تھا۔

آخر کار کپتان نے ہم لوگوں سے دوبارہ گانا شروع کرادیا۔تا کہ ہمارے حوصلے مزید پست نہ ہوں جب کبھی بارش رک جاتی تو ہم احاطے میں چلے جاتے اور وہاں گانے کی مشق جاری رکھتے۔طویل عرصے کے بعد، جب ہمیں باہر کی تازہ ہوا ملی تو مردہ پھیپھڑوں میں بھی جان پڑنے لگی،ہمیں محسوس ہوا جیسے ہم ایک بار پھر نئی زندگی کی طرف لوٹ رہے ہوں۔

مختلف قسم کی سرگرمیاں کیمپ کے دوسرے حصوں میں بھی شروع ہوگئی تھیں، شاید اسی وجہ سے کچھ لوگوں نے کھلینا شروع کر دیا تھا۔کچھ دوسرے لوگوں نے مختلف مقابلوں میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔چند ایک کلاسیں لینے لگے تھے۔جیسے ہی وہاں کسی قسم کا کوئی کھیل کود ہوتا تو بری لوگوں کو ایک گروہ بانسوں کے جنگلے سے باہر جمع ہوتا۔بعض اوقات وہ لوگ پر جوش انداز میں تالیاں بھی بجاتے یا قہقہوں میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے۔

ہمارے گانوں کو قبول عام کی سند حاصل ہوگئی تھی۔تماشائیوں کے سامنے ہم ہمیشہ بہت اچھا گاتے ہم لوگوں کے بارے میں اندازے سے لگایا کرتے کہ کون شخص دوسری بار گانا سننے آیا ہے۔اور کس طرح ہمارے گانوں سے کھیلوں پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔

ہمارے جنگلے کے ساتھ شہر کے ہر طرح کے لوگ ہر وقت جمع رہتے۔وہ گرم خطے کے رہنے والے تھے جن کے پاس شاید بہت زیادہ فالتو وقت ہوتا ہے۔وہ ہر وقت دیکھتے رہتے۔وہ ہمارے ہر گانے پر جی بھر کر داد دیتے، بچے رغبت سے دھنیں سیکھا کرتے اور ہمارے گانے کی نقلیں اتارتے۔اُنہوں نے گانے کیلئے آپس میں گروپ بھی بنا لئے تھے۔بعض اوقات نوجوان لڑکیاں سرخ اور نیلے رنگ کے لباسوں میں ملبوس بناؤ سنگھار کئے زندہ دلی سے ہماری موسیقی کی محفلوں میں شرکت کرتیں اور رقص کیا کرتیں۔یہ یقیناً بڑی خوشی کی بات تھی۔کچھ بوڑھے لوگ سکے اور کھانا وغیرہ کئی چیزیں لپیٹ کر ہماری طرف اچھال دیتے۔محافظ اپنی نظریں یوں چرا لیتے

جیسے اُنہوں نے کچھ دیکھا ہی نہیں جب کبھی ہم کوئی ایسی چیز گاتے جوان کی سمجھ میں آتی تو پھر وہ ہمارے ساتھ گانے بھی لگتے۔لیکن ہم نے ''ہانیوتو یادو'' کبھی نہیں گایا۔کیوں کہ اسے گانے سے بہت سی تکلیف دہ یادیں پھر سے تازہ ہوجاتیں اور دل کے زخم ہرے ہوجاتے ہیں۔

ایک دن ابھی ہم گانے کے درمیان ہی پہنچے تھے کہ کسی شخص نے دوسرے شخص کو چپکے سے کہنی مار کر اپنی طرف متوجہ کیا اور ساتھ ہی تماشائیوں کی جانب اشارہ کیا۔ہجوم کے پیچھے ایک برمی بھکشو کھڑا ہوا تھا، وہی بھکشو جسے پہلے پہل ہم نے پل پر دیکھا تھا۔وہ ہو بہو میزوشیما کا ہم شکل تھا۔اس کے کاندھے پر ہرا طوطا بیٹھا ہوا تھا جو ہمیں اپنی تیز نظروں سے گھورے جارہا تھا۔

جب گانا ختم ہو چکا تو ہم نے اسے دیکھنے کیلئے اپنی گردنیں اوپر اُٹھائیں۔

''تم دیکھو تو سہی!'' وہ میزوشیما کی زندگی کا نقیب معلوم ہوتا ہے۔کہیں یہ خود میزوشیما تو نہیں۔''

''نہیں بھئی، یہ اس سے زیادہ عمر کا دکھائی دیتا ہے۔۔۔۔''۔۔۔کسی نے کہا۔

ایک شخص نے بہت سارے سکے جو گانے کے دوان لوگوں نے ہم پر نچاور کئے تھے، ایک پیکٹ میں جمع کر لئے تھے۔اس نے وہ پکیٹ بھکشو کی طرف اچھال دیا جو اس کے قدموں میں جا کے گرا۔ایک لڑکے نے پیکٹ اُٹھایا۔اور عقیدت واحترام کے ساتھ بھکشو کو پیش کر دیا۔اس نے اپنے ہاتھ جوڑ کر شکریہ ادا کیا اور جھک کر ہمیں تعظیم پیش کی۔یہ راہبانہ تعظیم خلوص اور سچائی کا مظہر تھی۔جس کا جواب ہم میں سے کسی نے اسے سلام کر کے دے دیا تھا۔

جس طرح اس ملک کے لوگوں کے دلوں میں اپنے بھکشوؤں کی دیکھ بھال کا جذبہ اور عزت واحترام موجود تھا اس نے ہم سب لوگوں کو بہت متاثر کیا، ان لوگوں کا اپنے بھکشوؤں کو بھیک دینا بھی ایک طرح سے فلاحی اور خیراتی کام تھا۔اور اعتراف گناہ کرنے والوں کی جانب سے ان کا شکریہ اور تمام ذی روح اور ذی حیات چیزوں کیلئے راہ نجات بھی۔وہ لوگ بھکشوؤں کو تحفے ہی نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی تعظیم کیلئے جھک جاتے اور بڑے احترام کے ساتھ تحفے پیش کیا کرتے تھے۔پہلے پہل تو ہمیں ان باتوں کا قطعاً علم نہ تھا۔ہم انہیں کچھ دے دلا تو دیتے تھے لیکن ایسا کرتے وقت ہم سے ان کی شان میں بدتمیزی اور گستاخی سرزد ہوجاتی تھی۔

اس کے بعد وہ بھکشو اکثر ہماری جھونپڑی کی طرف آجاتا لیکن وہ ہمیشہ دوسرے تماشائیوں کے پیچھے بے حس وحرکت کھڑا ہوجاتا اور ٹکٹکی باندھے ہمیں دیکھا کرتا۔ہم وہ سکے اور کھانا اس کی

جانب دیا کرتے جولوگ ہمیں دے جایا کرتے تھے۔

''وہ دوبارہ واپس آ گیا ہے!''

''وہ ہمیشہ یہاں ایک ''خبر نامہ'' کی طرح آتا ہے۔ تا کہ اس سے کوئی اچھی خبر مل سکے۔'' کسی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

''یہاں ہر شخص اس کے بارے میں بے چین سا رہتا ہے۔ حالانکہ تم دیکھ سکتے ہو کہ وہ تمام لوگوں سے کتنا مختلف شخص ہے۔'' دوسرے نے لقمہ دیا۔

''میزوشیما ہو بہو اس بھکشو کی شکل کا تھا مگر یہ اس سے آدھا بھی سمجھدار نہیں۔ میزوشیما کے کیا کہنے، بھلا اس عظیم شخص سے کیا مقابلہ جس نے اسلحے سے لدی گاڑی پر کھڑے ہو کر ستار بجایا تھا۔''

اس دن جب بھکشو ایک لمبی یاترا سے واپس لوٹا تو اس کا کرتا تار تار ہو رہا تھا۔ اس کے بال الجھے اور داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے ننگے پاؤں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ نہایت نیک اور پاکباز شخص تھا جو شاید ہمیشہ مذہبی یاترا پر جاتا رہتا تھا۔

برمی لوگ اتنے زیادہ مذہبی ہوتے ہیں کہ ہر شخص عین جوانی میں بھکشو بننا پسند کرتا ہے اور اپنے آپ کو تارک الدنیا ہو جانے اور راہبانہ زندگی گذارنے کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے نوجوان بھکشو ہمیں تقریباً اپنی عمروں کے ہی ملے۔ ''کتنا فرق ہے جاپان اور برما میں، نوجوان جاپان کے طبقے میں فوجیوں جیسی یونیفارم پہننے کا رواج ہے۔ جبکہ یہاں برما میں نوجوان لوگ راہبانہ لباس پہننے کو ترجیح دیتے ہیں۔'' ہم ہمیشہ اس کے بارے میں بحث کرتے رہتے۔ لازمی فوجی تربیت یا لازمی مذہبی تربیت ان دونوں میں کونسی بات ٹھیک ہے؟ کون سی بات زیادہ ترقی یافتہ دکھائی دیتی ہے؟ بحیثیت ایک قوم یا بحیثیت ایک انسان ہمیں کس چیز کا انتخاب کرنا چاہیے؟ یہ عجیب طرح کی بحث تھی۔ جو ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ ہم زچ ہو جاتے۔ زندگی کے دو مختلف طور طریقوں کے مابین کتنا واضح فرق موجود تھا کہ ایک ملک کے اندر نوجوان فوجی یونیفارم پہنتے ہیں۔ تا کہ وہ آج کے لائق فرد اور مستقبل کے سخت محنتی نوجوان ثابت ہوں۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر کام ہی کرنا ہے تو یونیفارم کا ہونا لازمی امر ہے کیونکہ اسے پہن کر انسان چاق و چوبند رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر راہبانہ لباس پہننے کا مطلب ہی خاموش عبادت ہوتا ہے۔ وہ لباس سخت محنت طلب کام کے لیے نہیں ہوتا۔ کم از کم جنگ کے لیے تو بالکل ہی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص

MashalBooks.org

جوانی میں ایسے لباس پہنتا ہے۔تو قدرتی طور پر اس کی شریف اور نیک روح فطری تقاضوں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ہی تکمیل پائے گی وہ زندگی میں پیش آنے والی رکاوٹوں پر طاقت کے ذریعے قابو پانے کی طرف ہرگز مائل نہیں ہوگا۔اگلے وقتوں میں ہم جاپانی لوگ جو لباس پہنا کرتے تھے وہ پروہتوں والے لباس کے قسم اور عباؤں جیسا ہوتا تھا۔آج کل عموماً فوجی وردی جیسا مغربی لباس پہن کر ہم سمجھنے لگتے ہیں جیسے ہم دُنیا کی انتہائی سرگرم اور لائق قوم بن چکے ہیں اور قدیم پرامن اور فطری تقاضوں سے ہم آہنگ زندگی محض ماضی کی بات ہوگئی ہے۔دراصل بنیادی فرق لوگوں کے رویوں میں پایا جاتا ہے سوال یہ ہے کہ کیا لوگ دُنیا کو برمیوں کی طرح اسی طرح قبول کرلیں یا اسے اپنے کسی منصوبہ کے تحت اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں؟ لہٰذا ہر بات کا دارومدار انسانی فکر اور رویے ہے برمی لوگ،بشمول ان لوگوں کے جو شہروں میں رہتے ہیں ۔ابھی تک مغربی لباس نہیں پہنتے بلکہ اپنا روایتی ڈھیلا ڈھالا سا چغہ پہنتے ہیں ۔ یہاں تک کہ دُنیاوی سیاست میں سرگرم سیاستدانوں تک،مقبولیت کم ہوجانے کے ڈر سے اپنا دیسی لباس ہی پہنتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جاپانیوں کے برعکس برمی لوگ ابھی تک نہیں بدلے۔طاقت اور ذہانت کے ذریعے ہر چیز پر قادر ہونے کی خواہش کرنے کے بجائے وہ عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی ذات کے بجائے بڑی طاقت پر اعتماد کرتے ہیں۔اس لئے وہ مغربی لباس پہننے والوں پر اعتماد نہیں کرتے جن کا ذہنی رجحان خود ان کے رجحان سے میل نہیں کھاتا۔

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ کس طرح زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں۔آیا وہ فطرت کو اپنی جدوجہد اور کوششوں سے زیر کرتے ہیں یا اسے تسلیم کرکے بہت وسیع و گہرے نظم وضبط کے ساتھ اے من وعن اپنی ہستی اور اپنے وجود کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ان حجانات میں زندگی کا کونسا طور طریق دُنیا اور انسانیت کے مفاد میں ہے جس کا ہمیں انتخاب کرنا چاہئے۔؟

ایک شخص جو برمیوں کو کمتر سمجھتا تھا، کہنے لگا۔میں نے کبھی اتنے کمزور و کاہل لوگ نہیں دیکھے۔ان کے پاس ہر چیز موجود ہے۔بجلی کی روشنی سے لے کر ریل گاڑیوں تک، جو کسی غیر ملک نے ان کے استعمال کیلئے بنائی تھیں۔ان لوگوں کو جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنا چاہیے۔لنگیوں کے بجائے پتلونیں پہننی چاہیے۔حد تو یہ ہے برما میں اسکول بھی صرف ڈرامیٹک اور موسیقی کیلئے مخصوصی ہیں یہاں کوئی کمرشل یا ٹیکنکل اسکول موجود نہیں۔مگر وہ کہتے ہیں کہ ان کی تعلیمی سطح بلند ہے۔اس کا مقابلہ بقیہ جنوبی مشرقی ایشیا سے نہ کیا جائے۔اس کے معنی تو یہ

ہوئے کہ یہاں زیادہ تعداد ان بھکشوؤں کی ہے جو اپنے پگوڈوں میں قائم اسکولوں میں مذہبی سوتروں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس حساب سے تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ برما ابھی تک ایک برطانوی نوآبادی ہے؟ کسی نے یہ اعتراض کر دیا کہ لنگیوں کے بجائے پتلونیں پہننے سے لازم نہیں کہ برما میں خوش حالی آ جائے ''ذرا جاپان کو دیکھئے!'' اس نے کہا۔ جاپان ہی پر کیا منحصر ہے۔ اب تو ساری دُنیا میں اس آمیزش کا شکار ہو چکی ہے۔ جب لوگ خود پسندی کا شکار ہو جائیں اور ہر بات میں اپنی مرضی تھوپنے کی کوشش کریں تو وہ خسارے میں رہتے ہیں اگر انہیں ابتداء میں چند کامیابیاں نصیب ہو بھی جائیں تب بھی آگے چل کر ان کی حالت اور زیادہ ابتر ہو جاتی ہے۔ ''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ ہمیشہ غیر مہذب بنے رہنا ٹھیک ہے۔ برمیوں کی طرح۔'' ''غیر مہذب؟ بعض اوقات تو میں سوچتا ہوں ہم اتنے مہذب نہیں جتنے یہ لوگ ہیں۔'' ''تم نرے دیوانے ہو، شاید تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم لوگ ابھی اتنے مہذب نہیں ہیں۔ جتنے اس پسماندہ اور گندی جگہ کے یہ لوگ۔ یہ لوگ تو سرے سے کام کرنے کی ہی کوشش نہیں کرتے۔ آخر یہ لوگ پڑھ لکھ کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے کیوں نہیں ہو جاتے؟''

''مانا کہ ہم مہذب ہیں، ہمارے پاس کلیں بنانے کے جدید آلات ہیں لیکن دل سے ہم ابھی تک جنگلی اور وحشی کے وحشی ہیں۔ ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ مشینوں کو کس طرح استعمال کیا جائے ذرا غور کرو آخر ہم نے ان آلات کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں تک کہ ایک ننھی کمزور قوم کے خلاف ایک بڑی جنگ چھیڑ دی ہم نے برما پر حملہ کر دیا۔ اور یہاں کے عوام پر ہولناک مصائب کا پہاڑ توڑنے کا باعث بن گئے برمیوں نے تو اسے بھی سہہ لیا، اف تک نہ کی اور خاموشی کے ساتھ رہنے لگے۔

برمیوں نے ہماری طرح دوسروں پر حملہ کرنے کی احمقانہ غلطی کبھی نہیں کی۔ تم کہتے ہو وہ تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ لیکن وہ بدھ مت پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اپنی ساری زندگی اسی ضابطے کے تحت بسر کرتے ہیں۔ وہ اپنی جوانی کا حصہ بھکشو بن کر گذارتے ہیں۔ مہاتما بدھ کی زندگی کے طور طریقے ہی ان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دل مطمئن اور پرسکون رہتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ وہ امن سے کیوں رہتے ہیں؟ کیا تعلیم کا یہ کہیں زیادہ شریفانہ معیار نہیں ہے؟

''لیکن کم تر معیار زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' کیا وہ بنی نوع انسان کیلئے

موزوں نہیں؟ پہلی بات تو یہ کہ بدھ مت سے کوئی حس پیدا نہیں ہوئی ماسوائے اس بات کے کہ دُنیا ترک کر دیجئے۔ خود اپنے دکھوں اور مصائب کو جھیلئے دوسری چیزوں کے متعلق فکر نہ کیجئے کہ وہ بہتر ہیں یا بدتر۔ صرف اپنی روح کی نجات پر توجہ دیجئے ..... اور یہ نجات صرف اس وقت ملتی ہے جب آپ اس دُنیا سے تعلق ترک کر کے بھکشوؤں کی طرح زندگی بسر کریں۔ یہ سب کچھ، مہاتما بدھ کے الفاظ لغوی طور پر سمجھنے کے بعد آتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہمیں اس (Hanyani) ہنیانی بدھ مت کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جو لوگ بھکشو بن جاتے ہیں حقیقی دُنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ دُنیاوی زندگی انہیں اتنی حقیر اور بے معنی دکھائی دیتی ہے کہ نت نئی چیزیں ایجاد کرنے کی انہیں کوئی خواہش نہیں رہتی۔ انہیں اپنی حالت سدھارنے کا کوئی خیال نہیں آتا۔ اُنہوں نے ابھی تک ایسا کوئی طریقہ وضع نہیں کیا جو ہر شخص کو آزادی سے زندگی گذارنے کی اجازت دیتا ہو۔ کیا تم اسے ان کی خوش نصیبی کہہ سکتے ہو؟'' ''یہی حال رہا تو برما میں کبھی ترقی نہیں ہوگی؟''

مہاتما بدھ نے ایسی خوشیاں اور ترقی اپنے اس زمانے میں بھی دیکھی تھیں۔ اُنہوں نے ہزاروں سال قبل اپنی پر آسائش زندگی ٹھکرا کر لوگوں کی نیکی کی راہ دکھائی تھی۔ اُنہوں نے لوگوں کو نا اُمیدی کے عالم میں اس دُنیاوی زندگی سے چمٹے رہنے سے روکا تھا۔ برمی لوگ ابھی تک مہاتما بدھ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ اگر ہمیں انتہائی پر امن، مہذب دُنیا کی تلاش ہے تو ہمارے لیے یہ بہتر ہوگا کہ ہم برمیوں کی نقل کریں بجائے اس بات کے کہ وہ ہماری نقل کریں۔''

''ناممکن'' ایٹم بم کے اس دور میں آپ اتنی آسانی اور آرام سے نہیں چل سکتے۔

''واقعی یہ بات ہے تو ہمیں اسی ایٹمی دور میں زیادہ پر سکون اور زیادہ بہتر سوچ کا حامل ہونا چاہیے۔ ہمارے لئے ہرگز یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اس جیسی خطرناک شئے کو برمی بھکشوؤں کے حوالے کر دیں۔''

ہم کبھی فیصلہ کن نتیجے پر نہیں پہنچ سکے کہ کون سا طریقہ کار بہتر ہے۔ تاہم نے اپنی بحث متفقہ طور پر اس بات پر ختم کر دی کہ برمی لوگ اپنی زندگی مہاتما بدھ کی اعلیٰ تعلیمات کے مطابق بسر کرتے ہیں لہٰذا انہیں غیر مہذب قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ بات نہیں کہ انہیں بد تمیز اور جاہل کہا جائے محض اس لئے کہ انہیں وہ علم حاصل نہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ ان کی کچھ شاندار اور روایات ہیں جنہیں ہم نے ابھی سمجھنا بھی شروع نہیں کیا ہے۔ وہ صرف اس لئے

MashalBooks.org

نقصان میں ہیں کہ وہ کمزور قوم کے فرد ہیں اور ہم جیسے حملہ آوروں سے اپنا دفاع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہوسکتا ہے کبھی وہ اس دُنیاوی زندگی پر زیادہ توجہ دیں اور اسے بے معنی اور فضول سمجھ کر رد نہ کریں بلکہ اس کی ایک اعلیٰ قدر و قیمت مقرر کریں۔''

اس طرح بحث کا سلسلہ جاری رہا لیکن ہم نے اپنا زیادہ تر وقت بحث ومباحثے میں صرف نہیں کیا، کیونکہ جوں ہی ہمیں موقع ملتا ہم گانے کے لیے باہر نکل جاتے ہیں اور ایک برمی لوگ گیت گانے لگتے کیونکہ اسے دو حصوں میں گانا آسان تھا۔ وہ گیت وہی تھا جسے میزوشیما جنگل میں خطرے کی بو سونگھتے ہی اشارے کے طور پر گایا کرتا تھا۔

ہم نے اس دن بھی اس گانے کی مشق جاری رکھی، جنگلے کے باہر برمی لوگوں کا جمگھٹا لگ گیا تھا۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے بوڑھے مرد، عورتیں ہاتھوں میں ہاتھ لئے، ایک ساتھ مل کر گا رہے تھے۔ یہی حال جنگلے پر چڑھ ہوئے بچوں کا تھا۔ وہ سب بھی بڑے ذوق وشوق سے گا رہے تھے۔

وہ بھکشو بھی اس مجمع میں موجود تھا۔ ہماری خواہش تھی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ مل کر گائے اس لئے ہم بے چینی کے ساتھ اسے اشارے کر رہے تھے۔ لیکن وہ کھویا کھویا سا کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں آدھی بند تھیں۔ بظاہر اس نے ہماری فرمائش پر کوئی دھیان نہ دیا۔

اس کے بعد ہم نے بھی بھکشو کی آمدورفت کو خاص اہمیت نہ دی۔ اسی اثناء میں ہمیں معلوم ہوا کہ محض اس وجہ سے ایک اور جنگلہ پرانے جنگلے کے متوازی بنا دیا گیا کہ برمی لوگ ہم جنگلی قیدیوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ طرز عمل اختیار کر رہے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ تماشائی ہم سے فاصلے پر ہیں۔ اب بھکشو آتا بھی تو ہم اسے خیرات نہیں دے سکتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے اس نے آنا ہی بند کر دیا۔

MashalBooks.org

چوتھا باب

وقت گزرنے کے ساتھ میزوشیما کی موت کے بارے میں ہمارا شک اب یقین میں بدل چکا تھا۔ ہم نے اس کے بارے میں باتیں کرنا بند کر دی تھیں۔ ہر شخص اس ناخوشگوار موضوع سے کترانے لگا تھا مگر ایک دن اچانک غیر متوقع طور پر ایک چھوٹی سی خبر ملی جس سے ہمیں میزوشیما کی موت کا پکا یقین ہو گیا۔

کیمپ میں پھیری لگا کر اشیاء فروخت کرنے والی ایک بوڑھی عورت نے ہمیں یہ خبر دی تھی۔ وہ عورت، مودان میں مقیم جاپانی فوجیوں کے ہاتھ اس وقت سے اشیاء فروخت کیا کرتی رہی تھی جب سے انہوں نے قبضہ کیا تھا۔ سب لوگ دادی ماں کہا کرتے تھے۔ وہ بھی فوجیوں سے اپنے بچوں کو طرح برتاؤ کرتی تھی۔ وہ ان کے کپڑے دھو دیا کرتی۔ یا پھر کبھی اپنے گھر کھانے پر بلا لیا کرتی تھی۔

یہ عورت تھی انتہائی مذہبی۔ حتیٰ کہ برمیوں کے حساب سے بھی وہ زیادہ مذہبی تھی۔ اس کا کاروبار زیادہ تر جاپانی فوجیوں کے ساتھ تھا۔ اس کاروبار میں اس نے خاصی بڑی رقم کمائی تھی۔ لیکن اپنی ساری عمر کی کمائی اس نے پگوڈا کی نذر کر دی تھی۔ اور اب غربت میں گذر بسر کر رہی تھی، اگرچہ ہم جاپانی، جنگی قیدی تھے اس کے باوجود وہ ہماری مدد کر دیا کرتی تھی۔ وہ ہر کسی و ناکس سے اپنا بازو ہلا کر باتیں کیا کرتی۔ اور اتنی شوخ ہنسی ہنستی کہ اس کا سارا جسم بیدلرزاں کی طرح کانپنے لگتا ہے۔ وہ ہنستی تو لوگ کسی متعدی مرض میں مبتلا ہونے کے ڈر سے اپنے منہ بند کر لیتے تھے کہ کہیں منہ میں جراثیم نہ چلے جائیں۔ جب کبھی یہ بوڑھی عورت آتی تو سارا دن ہمارے حوصلے بلند رہتے اور دن پلک جھپکتے گذر جاتا۔ صرف اسی کی واحد شخصیت تھی جسے محافظوں نے

آزادی سے کیمپ میں آنے جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔

ویسے بھی کیمپ میں اب اس کا اتنا زیادہ کاروبار نہیں رہا تھا۔ کبھی کبھار وہ ہم سے اشیاء کا تبادلہ کر لیا کرتی۔ ہمارے کپڑوں اور دیگر اشیاء کی سپلائی پہلے کی نسبت اب بہت کم ہو چکی تھی۔ اس لئے انہیں تبدیل کرانے کی نوبت نہیں آئی تھی جتنا ممکن ہو سکا تھا ہم نے کئی چیزیں بچالی تھیں اور یہ سب اشیاء ہم اپنی پیٹھ پر لادے پھرتے تھے۔ ماسوائے چند اشیاء کے جو گٹھری میں نہیں آسکتی تھیں۔

ایک دن بوڑھی عورت اپنے سر پر تجارتی اشیاء کا ایک بڑا بنڈل لادے آپہنچی۔ وہ اچٹتی نظریں ڈالتی۔ ہندوستانی سنتری سے نوک جھونک کرتی صدر دروازے سے اندر آ گئی تھی۔ ہم سب جلدی جلدی اس کے چاروں طرف اکٹھے ہو گئے۔

''بولو، دادی ماں، اس قمیض کے بدلے مجھے ایک کیلا دو گی نا۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' اس نے جاپانی میں جواب دیا۔

''دادی ماں، میں نے کل ہی بانس سے ایک بانسری بنائی ہے۔ اس کا سسرا اچھا ہے۔ اس کے بدلے مجھے تھوڑی سی ''چندا کا'' دے دو۔'' چندا کا ایک قسم کی بھوری سخت شکر ہوتی ہے جیسے مصری کے ٹکڑے۔

''بہت اچھا، کوکن (Kokan)۔۔۔ کوکن ہماری زبان کا لفظ ہے جو انگریزی کے لفظ، بارٹر کا ہم پلہ ہوتا ہے۔ یعنی مال کے بدلے مال کی بنیاد پر تجارت کرنا۔ یہ لفظ سمندر پار بہت سے مقامات پر حتیٰ کہ بچوں تک میں سمجھا جاتا تھا۔ بوڑھی عورت روانی سے جاپانی بول سکتی تھی اوساکا کی مقامی زبان میں۔ جو فوجی پہلے یہاں رہ چکے تھے ان کا تعلق ضرور اوساکا سے ہوگا۔

''دیکھو، دادی اماں۔ مجھے تمہارا یہ بندر ایک آنکھ نہیں بھاتا جو میں نے تم سے پچھلی دفعہ خریدا تھا۔۔۔۔۔۔۔ کچھ تھوڑی سے ناگاپی کے بدلے اب دوبارہ سودا ہو جائے تو کیسا رہے؟'' (ناگاپی نمکین مچھلی کا گندھا ہوا آٹا ہوتا ہے جسے برمی لوگ کسی خاص موسم میں غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں)۔

''نہیں، نہیں، میں اسے واپس نہیں لوں گی۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔ ''یہ بندر بڑا شریر ہے۔ نہ کسی اور شخص کو ناگاپی کی ضرورت تو نہیں؟''

MashalBooks.org

عورت اپنے کپڑوں میں کوئی چیز ٹٹولنے لگی۔ آخر کار اس نے ایک پرندہ نکال ہی لیا۔ جو ابھی زندہ تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا ہرا طوطا تھا۔ جو اڑ کر بوڑھی عورت کے ہاتھ پر آ بیٹھا اور اپنے گول مٹول دیدے چاروں طرف گھما گھما کر دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے پر پھڑ پھڑائے۔ پھر ایک خشک سی جھنجھلاتی ہوئی آواز نکالی۔ وہ اپنی چونچ میں سے سیاہ چھوٹی سی زبان باہر نکالتا رہا یکا یک اس نے ایک چیخ ماری۔ آواز چھبتی ہوئی تھی ''کی۔ کی ا''

''اچھا بتاؤ، یہ طوطا کسے چاہیے؟'' ہم سب للچائی للچائی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔'' تمہیں معلوم ہے یہ پرندہ برمی میں بات کرنا سیکھ سکتا ہے۔ نہ صرف برمی، بلکہ جاپانی یا کوئی اور زبان بھی!''

''ارے، یہ تو وہی طوطا ہے جو بھکشو اپنے کندھے پر لئے پھرتا ہے۔'' کسی نے کہا۔ ''ٹھیک کہتے ہو۔'' دوسرے شخص نے پرندے کو اپنے کندھے پر بٹھائے ہوئے اور قریب سے اسے پرکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ اسی طرح لے جاتا ہے نا۔''

''اچھا تو کیا تم نے بھی اس بھکشو کو دیکھا ہے؟ عورت پھر شروع ہوگئی اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ ''میرے چھوٹے سے بھائی! یہ اس بھکشو کا طوطا نہیں۔ دراصل میرے پڑوسی نے پانچ طوطے پکڑے تھے۔ اسے اس درخت کا پتہ تھا جہاں طوطے گھونسلے بناتے ہیں۔ اس نے سارا دن اسی چکر میں صرف کیا اور پانچ طوطے پکڑ لئے۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ یہ طوطے تین دن کی مزدوری کے برابر ہیں۔ ابھی اس نے طوطے پکڑے ہی تھے کہ بھکشو وہاں آ گیا۔ اور اس سے راستہ معلوم کرنے لگا۔ میرے پڑوسی نے اپنی نجات کیلئے اس سے دُعا کرائی اور نذرانے کے طور پر اسے سب سے زیادہ ہرا طوطا دے دیا۔ اس دن سے بھکشو وہ طوطا اپنے کندھے پر بٹھائے پھرتا ہے۔ اور ہر طرف چکر لگاتا رہتا ہے۔ کہیں ٹک کر نہیں بیٹھتا۔ یہ طوطا اس طوطے سے ذرا ہلکا ہرا ہے۔ لیکن ذہانت میں یہ بھی کم نہیں۔''

کپتان ہماری باتیں سن رہا تھا۔ جب اسے علم ہوا کہ طوطے کا تعلق اس بھکشو سے ہے جس سے اسے لگاؤ بھی ہے تو اس نے کچھ سوچ کر اپنے سگریٹ کیس کے عوض وہ طوطا لے لیا۔

طوطا جلدی کمپنی کا پالتو پرندہ بن گیا۔ ہر شخص نے رفتہ رفتہ اسے چند الفاظ سکھا دیئے جنہیں وہ جلدی سیکھ گیا۔ جیسا کہ بوڑھی عورت نے کہا تھا۔ اس نے برمی تو سیکھی ہی لیکن وہ جاپانی بھی اچھی طرح سیکھ گیا، ایک شخص نے تو اسے گانا سکھانے کی بھی کوشش کی جو فضول ثابت ہوئی۔ وہ

ٹس سے مس نہ ہوا۔

اسی دن بوڑھی عورت نے جاپانی قیدیوں کے ایک گروپ کے بارے میں ایک افواہ کا ذکر کیا۔ وہ قیدی اندرون ملک سے یہاں لائے گئے تھے۔ اس کمپنی کے متعلق بتایا گیا کہ وہ سنگلاخ پہاڑی میں واقع ایک قلعے میں تادم مرگ لڑنے کیلئے محصور ہوگئی تھی۔ انہیں بھاری جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ بچنے والوں میں زیادہ تعداد زخمیوں کی تھی۔ ان کی حالت واقعی قابل رحم تھی۔ ان لوگوں کا علاج معالجہ مودان کے ہسپتال میں کیا جارہا تھا۔ ان میں سب ہی لوگ صحت یاب نہیں ہوئے کچھ مر بھی گئے جنہیں ہسپتال کے قبرستان میں دفن کردیا گیا۔ ان میں سے کچھ نوجوان ذہنی صدمے کا شکار بھی ہوگئے۔۔۔۔۔ یہ ساری باتیں اسے شہر کے لوگوں سے معلوم ہوئی تھیں۔

یہ باتیں سنتے ہی ہم سب نے کپتان کی طرف دیکھا۔۔ بوڑھی عورت نے ہمیں بتایا تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد چند جاپانی یونٹوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے اور وہ جنگ جاری رکھے ہوئے تھیں۔۔۔۔ ہمیں ایسا معلوم ہوا جیسے یہ واقعہ بھی اسی تکونی چوٹی کا ہو۔

''دادی ماں۔'' کپتان نے جوش میں آکر پوچھا۔'' مہربانی کرکے اس کمپنی کے بارے میں ہمیں کچھ اور بتاؤ ایک جاپانی فوجی جولڑائی کے دوران امن مشن پر گیا تھا، وہ واپس آیا یا نہیں۔ اور اگر اس کا مشن کامیاب ہوا تو پھر اس کا کیا حشر ہوا؟ جب دوبارہ یہاں آؤ تو اس کے بارے میں تمہارے پاس مکمل معلومات ہونی چاہیے کہ وہ زخمی ہوگیا تھا یا اسے کہیں اور لے جایا گیا تھا۔۔۔ اور ہاں ذاتی طور پر جو کچھ میرے بس میں ہوگا میں تمہارے لیے ضرور کروں گا۔'' بوڑھی عورت نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

تقریباً دس روز کے بعد وہ بڑھیا واپس آگئی۔ ہم تو پہلے ہی سے منتظر بیٹھے تھے۔ اس کے آتے ہی ہم نے بے چینی سے اپنے سوالات دہرائے۔ اس نے ہمیں تفصیل سے بتایا کہ وہاں کئی واقعات پیش آچکے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کسی یونٹ کے ایک فوجی نے لڑائی بند کرا کے ان محصور فوجیوں کی جانیں بچالیں۔ اس فوجی کا تو سب کو شکر گذار ہونا چاہئے تھا لیکن کسی کو اس کے بارے میں مزید کوئی علم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ اسے تو لوگوں نے فائرنگ لائن میں ادھر ادھر آگے پیچھے چاروں طرف دوڑتے دیکھا تھا۔ اگر ایسا ہے تو اسے وہیں کہیں پہاڑوں میں مرکھپ جانا چاہیے۔

MashalBooks.org

یہ خبر سن کر کپتان کے قدم ڈگمگانے لگے اور ہم سب لوگ بھی تڑپ کر رہ گئے۔ ''تو وہ بیچارہ اس طرح مارا گیا!'' ایک شخص چلا اُٹھا۔

اسی وقت کپتان نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کمپنی کے نام ایک خط لکھا۔ خط میں میزوشیما کے انجام کے بارے میں وہ تمام باتیں پوچھی گئی تھیں جن کے بارے میں یقین تھا کہ وہ لوگ فراہم کر دیں گے۔ بوڑھی عورت نے وہ خط متعلقہ کمپنی کو پہنچانے کی حامی بھر لی لیکن دوسرے مرتبہ جب واپس آئی تو اس نے بتایا کہ ایک محافظ نے اسے خط سمیت پکڑ لیا تھا۔ اور سختی کے ساتھ اسے تنبیہ کی کہ اگر دوبارہ اس نے پھر یہ حرکت کی تو اسے قیدیوں کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی بتایا کہ زخمی فوجیوں کا کسی دوسرے کیمپ کے ہسپتال میں تبادلہ کر دیا گیا ہے۔ اب ان کا قیام مودان میں نہیں ہے۔۔۔۔۔ یہ سارا احوال ہمیں بڑھیا کی زبانی معلوم ہوا۔

تاہم ان تمام باتوں سے ایک واضح حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی، وہ یہ کہ میزوشیما اپنے مشن میں کامیاب تو ہو گیا تھا لیکن وہ تکونی چوٹی سے لائے جانے والے قیدیوں میں شامل نہ تھا۔ یوں اس کے زندہ بچ جانے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔ اور ہماری رہی سہی اُمید دم توڑ چکی تھیں۔

ہماری خواہش تھی کہ ہمیں کم از کم اس کی راکھ یا اس کے بالوں کی ایک لٹ ہی مل جاتی لیکن شاید یہ بات ناممکن تھی۔ ہم نے سوچا اس کے ہم وطن بیشتر نوجوانوں کی طرح، میزوشیما کی لاش بھی بے گور و کفن کسی نامعلوم علاقے میں پڑی ہوگی۔ ہمارے لئے تو یہ سوچنا بھی ناقابل برداشت تھا۔ ہم صرف فرض کر سکتے تھے کہ میزوشیما فوت ہو چکا ہے وہ ان بے شمار لوگوں میں سے ایک تھا جو ایکشن کے دوران لاپتہ لا چکے تھے۔ کپتان مختلف قسم کے امکانات پر غور کرتا رہا۔ اس نے ابھی اُمید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن وہ اس حقیقت سے باخبر تھا کہ اس کے الفاظ کھوکھلے ہیں۔ اور یہ بات اس کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔

ہم نا اُمید تو پہلے ہی تھے لیکن اس دفعہ حقیقتاً ہم مایوس ہو گئے۔ بطور قیدی ہماری زندگی غمناک ہو گئی تھی۔ ایک بے کیف، اداس دافسردہ اور تھکا دینے والے دن سے اگلے دن تک ہمارا وقت اسی طرح گزرتا۔ بس ہم زندہ تھے۔ یہی کافی تھا۔

بارشیں ختم ہوئی تو خشک سردی کا موسم آ گیا۔ لیکن ہمارے جذبات میں کوئی ہیجان پیدا نہیں

ہوا حوصلوں میں دوبارہ جان نہیں پڑی۔ ہمیں اپنی بے مقصد بے آسرا زندگی میں اپنی قوت ضائع ہوتی محسوس ہوئی۔ بطور قیدی ہم تلخیوں کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔ خود اپنی زندگیوں پر ہمیں قابو نہ رہا تھا۔ حتیٰ کہ مل کر گانا گاتے وقت ہمارا سارا جوش وولولہ سرد ہو جاتا سب کچھ بے کیف دکھائی دیتا۔ غالباً ان دنوں جاپانی خواہ کہیں ہوں۔ سب بے حسی نا اُمیدی اور دل شکستگی کا شکار تھے۔

طوطے کی طرف کسی شخص کا دھیان نہ گیا شاید اسے نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ وہ اپنے اڈے پر بیٹھا ٹیں ٹیں کرتا اور جاپانی زبان میں سیکھے ہوئے چند برے اور گندے فقرے بولتا اور چیخیں مارتا رہتا۔ وہ چھبتی ہوئی تیز اور خراب آواز میں کی کرتا لیکن یہ پرندہ چوہا پکڑنے میں بڑا ماہر تھا۔ بعض اوقات آدھی رات کو وہ خوب غل غپاڑہ اور شور مچانے لگتا اور ٹھونگیں مار مار کر جب تک چوہے کو موت کی نیند نہ سلا دیتا اسے چین نہ آتا۔

ہمیں قید ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ اچانک پر اسرار مافوق الفطرت اور نا قابل توجیہہ واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو ہماری جاپان واپسی تک جاری رہا۔ چکرا دینے، مشتبہ اور خوفناک باتیں جن کے بارے میں ہم ہر رات باتیں کیا کرتے تھے۔

MashalBooks.org

پانچواں باب

اپنی قید کے دوران ساتویں یا آٹھویں مہینے میں ہم نے باقاعدگی سے ایک تعمیراتی پروجیکٹ پر کام شروع کر دیا تھا۔ مودان کے پگوڈا کے عقب میں ایک عمارت کی مرمت کا کام ہمیں سونپا گیا تھا جہاں جلدی ہی انگریز فوج کے باقی یونٹ منتقل ہونے والے تھے ہمیں یہ کام ان کے آنے سے پہلے مکمل کرنا تھا۔

ایک دن کوئی تہوار تھا اس لئے ہمیں آرام کے وقفے میں پگوڈا جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ پگوڈا کا احاطہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس دن تیز بھڑکیلے لباسوں میں ملبوس لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ کھوئے سے کھوا چھل رہا تھا۔ آپ یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ سوئی جیسے سنہرے کلسوں اور کج کھائی ہوئی چھتوں کے گرد کبوتر منڈلا رہے تھے۔ پتھر کی روشوں، راستوں اور سیڑھیوں پر پھول ہی پھول بکھرے پڑے تھے۔ لیکن ہجوم زیادہ ہونے کے باوجود خاموشی طاری تھی۔

دراصل برمی لگ ننگے پاؤں چلا کرتے ہیں۔ اور شور کئے بنا سایوں کی طرح چلتے ہیں۔ پگوڈا میں پہنچ کر ہم نے تعظیما اپنے جوتے اتار دیئے تھے۔ کیونکہ جائے ادب تھی۔ عبادت میں مشغول لوگ ہمیں راستہ دینے کیلئے خاموشی سے ایک طرف ہٹ جاتے۔ غالبًا انہیں سابقہ طاقت ور جاپانی فوجیوں کو اس کسمپرسی کے عالم میں دیکھ کر افسوس ضرور ہوتا تھا۔۔۔۔ ایک لڑکا جس کی صاف وشفاف آنکھیں، گھونگر یالے بال اور بھوری چمک دار جلد تھی، مندر کے صدر دروازے پر ایستادہ ایک بڑے منہ پھاڑے سنگی شیرے کے قدموں میں کھڑا ستار بجائے میں مگن تھا۔ لوگ وہاں آتے جاتے اس کی جانب سکے اچھال دیتے تھے۔

MashalBooks.org

برمی ستار ایک شاندار آلۂ موسیقی ہوتا ہے۔ جس کی عمدہ پالش کی ہوئی لکڑی پر مرصع کاری اور جڑاؤ کام ہوتا ہے۔ اور جس کی شکل بینگن کے پودے جیسی ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برمی موسیقی کی آواز بارش کے قطروں کے گرنے کی آواز سے ملتی ہے، بہرحال اس موسیقی کی ایک روایت ہے۔ برما کے لوگ موسیقی کے اتنے دلدادہ ہوتے ہیں کہ ان کے پاس نہایت ترقی یافتہ سریلے گیتوں کے مختلف پیچیدہ قسم کے آلات موسیقی ہوتے ہیں۔

پہلے ستار کی آواز ہمیشہ ہمیں چونکا دیا کرتی تھی۔ کیونکہ وہ ہمیں میزوشیما کی یاد دلاتی تھی۔ لیکن اب ہم اس کے عادی بن چکے تھے۔ اب نہ تو ہم چونکا کرتے تھی اور نہ ہی غمگین وادس ہوتے تھے۔ شیر کے قدموں میں کھڑے لڑکے نے گیت کی مختلف دھنیں بجائیں۔ ہمیں دیکھ کر وہ جاپانی دھنیں بجانے لگا لیکن افسوس اسے دینے کیلئے ہمارے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ ہم سیڑھیاں چڑھتے پگوڈا کے اندر چلے گئے۔ برمی لوگ پگوڈا کو دل کھول کر چندے دیا کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی آرائش وتزئین کی جاسکے۔ حالانکہ خود ان کے اپنے گھروں کی حالت نہایت خراب ہوتی ہے۔ شاید اسی فیاضی کا نتیجہ ہے کہ ان کے پگوڈا بہت خوبصورت اور شاندار ہوتے ہیں۔ سنگ مرمر کو تراش کر اور نقش ونگار بنا کر اندرونی مقبرے وتبرکات کے برتن کی اچھی طرح آرائش کی گئی تھی۔ مہاتما بدھ کے مجسمے تو ہر جگہ موجود تھے۔

عقیدت مند مجسموں کے سامنے دوزانو ہاتھ باندھے اور سر جھائے پوجا پاٹ کرنے کیلئے بیٹھ جاتے۔ ہر طرف سے پڑھنے اور گنگنانے کی آوزیں آرہی تھیں۔ جلتے ہوئے لوبان کا دھواں ہوا میں معلق رہتا۔ ایک عجیب سی خوابیدہ اور مخمور کردینے والے احساسات ماحول میں رچ گئے تھے۔ پوجا کرنے والوں میں بیشتر تعداد ان عورتوں کی تھی جو اگلی زندگی میں بطور ایک مرد پیدا ہونے کی دُعائیں مانگ رہی تھیں۔ ان سب نے لمبے لمبے سگار اور ماچسیں گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی۔ برما میں بچے تک سگار پیتے ہیں عورتیں اپنے سگار اور ماچس گھٹنوں پر اس لئے رکھتی ہیں کہ پوجا ختم ہوتے ہی وہ پی سکیں۔ پوجا کرنے کے بعد وہ جلدی نہیں چلی جاتیں بلکہ گھنٹوں واجدانہ کیفیت میں یوں ہی بیٹھی رہتیں جیسے وہ بہشت کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کیلئے بیٹھی ہوں۔

پتھریلے فرش پر ایک نوجوان لڑکی سفید کنول کا پھول اپنے ہاتھوں میں لئے ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے عین سامنے سایہ دیوار کے مخالف سمت میں مہاتما بدھ کا مسکراتا ہوا ایک

MashalBooks.org

دھندلا سا مجسمہ ایستادہ تھا جس کا ایک سفید بازو اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سفید بازو حرکت کرنے والا ہو۔

اس کے بالکل قریب ایک بوڑھا شخص غور و فکر میں ڈوبا ساکت بیٹھا تھا۔ وہ زرد اور دبلا پتلا منحنی سا شخص تھا۔ وہ ہڈیوں کا جیتا جاگتا ڈھانچہ نظر آتا تھا۔ جوں ہی ہم نے اس کی طرف دیکھا۔ ہم سمجھ گئے۔ وہ کوڑھی تھا..... پگوڈوں سے ہمارے دور دور رہنے کی اصل وجہ یہی تھی کہ وہاں بہت سے کوڑھی لوگ بھیک مانگتے یا گیان دھیان کرنے کیلئے بیٹھا کرتے تھے۔ اس بوڑھے شخص کو دیکھتے ہی خواہ مخواہ ہمارے پاؤں کے تلوؤں میں خارش ہونے لگی تھی۔

یہ دُنیا بھی کتنی مختلف ہے! کہیں عیش و عشرت کہیں ہے گدائی۔ جب کبھی اس قسم کی کوئی نئی چیز دیکھنے میں آتی تو ہم حیران ہوتے اور سوچتے کہ یہ بھی کیسا ملک ہے جہاں لوگ ایسی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ آخر وہ ایسی زندگی کیوں گذارتے ہیں پرانے وقتوں میں ہمارا ملک جاپان بھی ایک ایسا ہی پسماندہ ملک ہوتا تھا .....

صرف 80 سال کے اندر ہم ایک جدید قوم بن چکے ہیں۔ مگر چونکہ یہ تبدیل اتنی تیزی کے ساتھ عمل میں آئی ہے اس لئے ہمارے لیے ہر قسم کی پریشانیاں بھی اپنے جلو میں لے آئی ہے ..... ان دنوں جب ہمیں جہازوں کے ذریعے بیرون ملک خدمات انجام دینے بھیجا جا رہا تھا۔ تو ہمارے عوام کی بری حالت تھی۔ وہ بے چارے تو پہلے ہی خوف و ہراس کی فضاء میں جی رہے تھے۔ اکثر اوقات انہیں بھوکا رہنا پڑتا اور غلاموں کی طرح جٹ کر کام کرنا پڑتا تھا۔ جنگ کے بھیانک نتائج کے بارے میں سوچ سوچ کر وہ فکر کے مارے آدھے رہ گئے تھے۔ ان کے چہرے پیلے پڑ گئے تھے۔

بری لوگ شریف النفس، کمزور اور غریب تھے مگر اپنی پر امن اور مسرور کن زندگی سے خاموشی کے ساتھ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہیں تو صرف اپنی روحوں کی نجات سے سروکار تھا۔

شامت کا مارا ایک انگریز فوجی کہیں پگوڈا میں چلا آیا اور تجسس بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مقامی رسم و رواج کی پیروی میں اس نے بھی تعظیما اپنے جوتے اتار دیئے تھے لیکن بوڑھے کوڑھی پر نظر پڑتے ہی وہ الٹے پاؤں تیزی سے واپس چلا گیا۔ فوجی کے وہاں سے جاتے ہی ستارس پر نغمے کی آواز سنائی دی۔ وہ لڑکا جو گیٹ پر کھڑا ستار بجا رہا تھا، اب ہمارے قریب آ گیا تھا۔ ''وہ نانیونویادو'' بجا رہا تھا یعنی، ہوم سوئٹ ہوم .....غالباً اس

انگریزی فوجی کو خوش کرنے کیلئے اس نے یہ نغمہ سرائی کی تھی۔

غیر متوقع طور پر، ایک طویل مدت کے بعد ستار پر یہ نغمہ سننے کو ملا تھا جسے سنتے ہی ہم لوگوں پر جذبات غالب آ گئے تھے۔ سب لوگ مودبانہ سر جھکائے یہ نغمہ سنتے رہے۔ حتیٰ کہ مہاتما بدھ کے بے شمار مجسمے جو اطراف میں ادھر ادھر کھڑے تھے ان پر شبہ ہوتا تھا جیسے وہ بھی یہ نغمہ سن رہے ہوں۔ نرم و گداز تھرتھراتی، لرزتی ہوئی موسیقی کی آواز گرم خطے کے پھولوں پر بارش کی گرتی ہوئی بوندوں کی آواز کی مانند سنائی دے رہی تھی۔ ہم نے میزوشیما کے بارے میں شدت سے سوچا اور مہاتما بدھ کے حضور گڑگڑ کر دُعا مانگی کہ وہ اس کی روح کو ابدی سکون اور شانتی عطا فرمائے۔

جب ستار بجایا جا رہا تھا تو ہم اسے اچھی طرح نہ سن سکے تھے۔ کیونکہ اس کے مدھم سر اور ٹھہر ٹھہر کر آنے والی کومل آوازیں لرز رہی تھیں، اس کے سر زیر و زبر ہوتے رہے اور بے شمار خلط ملحط آوازوں میں ارتعاش پیدا ہوتا رہا یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بے چین روح ایک طویل ٹھنڈی آہ کی مانند جنت کی سمت رواں دواں ہو۔

چند لمحے گذرے ہوں گے کہ اچانک کپتان کا لہجہ سخت درشت ہو گیا، ''سنو!'' اس نے ہوا کی لہروں پر دور سے آنے والی کسی کی آواز پر اپنے کان لگا دیئے تھے؟ ''ابھی ابھی کیا آپ لوگوں نے یہ آواز سنی ہے؟'' کپتان کی آواز میں جوش تھا۔

جناب، کونسی آواز؟'' ایک شخص نے کپتان کی ہونقوں جیسی شکل دیکھی تو کہا۔ اس کی آواز میں حیرت زیادہ تھی۔

''شش'' اس کے کان تو ستار کی آواز پر لگے ہوئے تھے جو لحہ بہ لحہ اور زیادہ دور سے آنے لگی تھی۔ ''اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔'' اس نے کہا۔ اور پھر ہمارا قافلہ پگوڈا سے کیمپ کی جانب روانہ ہو گیا۔

کپتان بہت جلدی میں تھا اور تیز تیز جا رہا تھا۔ اس نے اپنی جیب کے سارے سکے نکال کر ہاتھ میں لے لئے تھے۔ ہمیں اس کا ساتھ دینے کیلئے بھیڑ میں لوگوں کو دھکا دیتے ہوئے راستہ بنانا پڑا۔ لوگ بھی ہمیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ گیٹ کے پاس ہی ہجوم کے اندر وہ لڑکا ستارہ لئے کھڑا تھا۔ کپتان سیدھا اس کے پاس چلا گیا اور ساری رقم اس کے حوالے کر دی۔ اور لڑکے کو ستار بجانے کا اشارہ کیا۔ پہلے تو لڑکے نے اس دخل در معقولات پر اسے گھور کر دیکھا اور پھر مودبانہ اپنا ستار سنبھال لیا۔ کپتان نے ''ہانیو نو یادو'' گانا شروع کر دیا اور لڑکے سے دھن

چھیڑنے کو کہا۔

ٹھیک اس وقت ہمیں پولیس والوں کو سیٹیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ہمارا کمپنی انچارج ہندوستانی فوجی گیٹ سے باہر کھڑا ہمیں اشاروں سے نہ صرف بلا رہا تھا۔ بلکہ چلا چلا کر حکم دے رہا تھا۔'' سب ایک قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔ تمہارا تفریح کا وقت ختم ہو چکا ہے۔'' بھلا ہم کیا کر سکتے تھے۔ اپنے کپتان کی قیادت میں جب ہم لوگ باہر جانے کیلئے ایک قطار میں روانہ ہوئے تو عقب میں وہ لڑکا ایک مقبول برمی دھن بجا رہا تھا۔

''تمہارے خیال میں، اس لڑکے نے ہانیونو یادو'' کہاں سیکھی ہوگی؟؟ اس رات کپتان نے ہم لوگوں سے پوچھا۔ ہمیں بتانے میں پس وپیش ہوا۔ اور ساتھ ہی اس کے سوال پر حیرت بھی ہوئی۔ بالآخر ایک شخص نے اسے بتایا۔

''یہ ایک مشہور دھن ہے جسے یہاں مقیم انگریز ہمیشہ ترنگ میں گاتے رہتے ہیں۔''

''نہیں۔ قطعاً یہ بات نہیں ہے۔ اسے بجانے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ جسے وہ لڑکا جانتا ہے۔ کیا تمہیں کوئی تعجب نہیں ہوا''۔۔۔۔۔ ہم لوگوں نے یاد کرنے کی بہتر کوشش کی لیکن اس وقت خلاف معمول کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

''کیا ستار پر وہ بھی سرگم پیش نہیں کر رہا تھا۔ ایسی ہم آہنگ اور سریلی آواز..... کیا بیشتر برمی اسے اسی طرح بجاتے ہیں؟''

وہ کیا بجاتے ہیں؟'' ہم نے خود سے سوال کر ڈالا۔ ہم لوگ ستار کا صرف ایک انداز جانتے تھے۔ اور وہ تھا میزو شیما کا۔ پگوڈا کے اندر آج ہم نے گیت کے بند کا صرف ایک حصہ سنا تھا۔ اتنا تھوڑا سننے کے بعد ہم صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں۔

''غالباً ہر دھن کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔'' کپتان نے مزید کہا۔'' آج مجھے احساس ہوا کہ میں میزو شیما کے انداز میں سن رہا تھا۔ کیا واقعی یہ اس کی دھن نہیں تھی؟ کیا کوئی اور شخص میری طرح نہیں سوچ سکتا؟'' اس بات نے ہم سب کو چونکا دیا۔'' لیکن کپتان!'' کیا آپ اتنی دور سے سن کر بتا سکتے ہیں؟ کسی نے پوچھا ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی .....'' کپتان قدرے تذبذب میں پڑ گیا۔'' ہو سکتا ہے یہ محض میرا تصور ہو، وہم ہو۔''

پھر بھی یہ ایسا تجسس ابھارنے والا تصور تھا کہ ہم ساری رات اس کے بارے میں بحث کرتے رہے۔'' کپتان ایک تربیت یافتہ موسیقار ہے۔ یہ بات تو سب کے علم میں تھی۔ پھر وہ

موسیقی کی ابجد سے واقف تھا۔ وہی بتا دیتا کہ وہ سرگم کیسا تھا۔ برمی کبھی اس طرح نہیں بجائے گا اور نہ کبھی اس کا اس طرح استعمال کرے گا۔''

آپ اس کے کانوں پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ اگر وہ میزوشیما کی دھن تھی تو پھر اس لڑکے نے کہاں سیکھی؟ کس نے میزوشیما کے انداز میں اسے سرگم کی تعلیم دی ہے؟ اگر ہم اس لڑکے کو تھوڑی دیر روکے رہتے تو شاید وہ ہماری تشفی کر سکتا۔ میزوشیما کے بارے میں اس سے مزید کچھ معلومات ہو سکتی تھیں۔''

ہو سکتا ہے میزوشیما نے مرنے سے پہلے اسے یا اور کسی شخص کو سکھا دیا ہو۔ ہماری قدیم کہانیوں میں جنگجو بانسری نواز کی طرح، جس نے مرنے سے پہلے اپنے فن کے رازہائے سربستہ سے پردہ ہٹا دیا تھا۔ شاید اس نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ کاش! ہم آزاد پنچھی ہوتے باہر جا کر اس لڑکے کو ڈھونڈتے پھر اس سے پوچھتے کہ میزوشیما کس طرح فوت ہوا تھا ..... ''غرض جتنے منہ اتنی باتیں ہماری گفتگو سے دل کی بھڑاس نکلتی گئی اور زیادہ سے زیادہ ڈھارس بندھتی گئی۔..... لیکن اچانک گفتگو کا رخ بدل گیا۔ ہماری باتوں میں مزید تیزی آتی گئی۔'' کیا واقعی میزوشیما کو ستار سکھانے کا موقع مل گیا ہوگا؟'' میزوشیما جب اس تکونی چوٹی کی جانب اپنے مشن پر روانہ ہوا تھا تو لڑائی بڑے زوروں پر تھی، اس کے وہاں پہنچتے ہی فائرنگ لائن پر فائرنگ کا شدید دباؤ ہوگا۔ اس نے آگے پیچھے چاروں طرف دوڑنا شروع کر دیا ہوگا۔ کمپنی کے ہتھیار ڈالنے کے بعد جب زخمیوں کو ہسپتال لے جایا گیا ہوگا تو اس نے اپنا یہ فن کسی کو سکھا دیا ہوگا۔ ..... یہ سب مفروضے تھے ..... البتہ اس بات کا تو یہ مطلب ہوا کہ میزوشیما جنگ میں بچ گیا تھا۔ اس لئے ابھی تک زندہ تھا ..... غرض ہم ایک مستقل ہیجان میں مبتلا تھے۔

ہمارا سوچنا بند ہوا تو امکانات اور زیادہ غیر واضح، دھندلے اور مبہم سے دکھائی دینے لگے تھے۔ لیکن سب کی زبان پر صرف ایک ہی سوال تھا ..... آیا وہ لڑکا کہیں میزوشیما کی دھن تو نہیں بجا رہا تھا؟ لیکن ہمیں اس بات کا کون یقین دلاتا؟ کپتان نے میزوشیما کو اپنا بھائی سمجھا تھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ میزوشیما کو موت کے منہ میں ڈھکیلنے کا ذمہ دار وہ خود کو گردانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر مردہ سی اُمید کے ساتھ ابھی تک چمٹا ہوا تھا کہ میزوشیما ابھی تک زندہ ہے۔''

MashalBooks.org

اس کے بعد وہ لڑکا ہمیں کہیں نظر نہیں آیا۔ جوں جوں دن گذرتے گئے ہم نے اس کے
بچنے کے مبہم امکانات کو یکسر فراموش کر دیا۔

MashalBooks.org

چھٹا باب

چھ ہفتے پلک جھپکتے گذر گئے۔ ہم لوگوں کو پگوڈا کے نزدیک ایک بڑے جنگل میں درختوں کی کٹائی پر مامور کیا گیا کیونکہ مردہ گھر کے ہال میں شیلف بنانے کیلئے تختے درکار تھے جہاں انگریز فوجیوں کی باقیات، آخری رونمائی کے لیے رکھی جانی تھیں۔

خشک موسم شروع ہوتے ہی حالات میں بڑا فرق آ گیا تھا۔ ہر روز مطلع صاف ہونے لگا تھا۔ ان دنوں محنت کرنے میں مزہ آتا تھا۔ نہ سستی نہ کاہلی ہر شخص اپنے روز مرہ کے کام پر مستعدی سے ڈٹ جاتا تھا۔ تھکن کا احساس نہ ہونے پاتا۔ بالآخر ہماری سخت محنت، ومشقت رنگ لائی اور ہم لوگ اس مردہ دلی وناتوانی کے چنگل سے نکل آئے تھے جو محض مرطوب آب وہوا اور شکست کے صدمے کی وجہ سے لاحق ہوگئی تھی۔ اب ہم پہلے کی نسبت خود کو زیادہ بہتر محسوس کر رہے تھے۔

جب کلہاڑی آہستہ آہستہ بڑے درخت کے تنے کو کاٹتی تو گیلی لکڑی کی پچریں نرم نرم برف کے گالوں کی مانند ہوا میں اڑتی پھرتیں۔ ایک طرف ہم ان موٹی موٹی پچروں کی کانٹ چھانٹ کرتے تو دوسری طرف درخت کو تھوڑا اور اوپر کی جانب سے کاٹنا شروع کر دیتے۔ جلد ہی درخت کی پھنچی ہوا میں جھولنے لگتی اور درخت چڑھی ہوئی انگور کی بیلوں اور جمی ہوئی کائی کہ تہہ

سمیت چرخی کی طرح چکر کھاتا ہوا ایک زندہ مخلوق کی مانند اس طرح گھومنا شروع کر دیتا جیسے مایوسی کے عالم میں۔ مگر بے جگری کے ساتھ اپنا توازن برقرار رکھنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ لیکن جوں ہی ہم اس پر آخری وار کرتے تو درخت آسمان سر پر اُٹھا لینے والی ایک گرج دار آواز کے ساتھ نیچے زمین پر آ گرتا۔ بھاری تنا چٹ سے ٹوٹ جاتا۔ ہر شخص اس کے راستے سے ایک طرف ہٹ جاتا۔ ہمارے سروں پر پتے برسنے لگتے۔ درخت پر بسیرہ کرنے والے پرندے شور وغل کے ساتھ ایک ساتھ پھڑ پھڑاتے اڑ جاتے ہیں۔

اس کے بعد ہم چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں اور شاخوں کو کاٹنے چھانٹنے لگتے جیسے ہم کوئی جانور کاٹ رہے ہوں۔ جس میں ابھی کچھ سانس باقی ہو۔ چمکتی دمکتی اوس کی طرح، اس درخت کے چرکوں اور گہرے گھاؤں سے رقیق مادہ رس رہا ہوتا اور اس سے تازہ بوکا ایک بھپکا اُٹھ رہا ہوتا۔

جب کوئی درخت گرتا تو ہمارا ہندوستانی محافظ بڑی تعریفیں کرنے لگتا۔ ''تم جاپانی لوگ واقعی ان کاموں کے ماہر ہوتے ہو۔'' وہ کہتا۔ ایک مرتبہ ہم ایک بڑا درخت گرا کر آرام کر رہے تھے۔ اور اپنے بدن سے پسینہ بھی پونچھتے جا رہے تھے۔

سورج کی روشنی ہرے بھرے پتوں سے چھن چھن کر جنگل کے اندر پہنچ رہی تھی۔ کبھی کبھی بادِ نسیم کا کوئی سبک رفتار اور نرم جھونکا ہمارے جسموں کو سہلاتا کسی اور طرف نکل جاتا، پاؤں کے نیچے موٹی کائی دار گھاس نرم وملائم مخمل کی طرح محسوس ہوتی۔ الگ تھلگ سا ماحول مسرت بخش اور پرسکون دکھائی دیتا۔ جو آواز ہمیں سنائی دے رہی تھی وہ پانی کے ان بلبلوں کی تھی جو شاید دبیز کائی کی تہہ کے نیچے کہیں قطرہ قطرہ کر کے ٹپک رہا تھا۔

ہندوستانی محافظ ہم لوگوں پر اتنا اعتماد کرنے لگا تھا کہ آرام کے وقفے کے دوران وہ نرم نرم گھاس کے گچھوں پر پاؤں پسارے لیٹ جاتا اور کائی سے ڈھکے درخت کی جڑ کو اپنا تکیہ بنا لیتا اور ہلکی سی ایک نیند لے لیتا۔

اس دن ہمارے ایک آدمی کو ایک درخت کے سائے تلے انسانی ہیولا نظر آیا جو زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ دراصل وہ ایک برمی بھکشو تھا جس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ اس خستہ حالی میں وہ دیر تک کھڑا ہمیں تکتا رہا پھر بے چینی سے اس نے چاروں طرف دیکھا اور اشاروں سے ہمیں اپنے نزدیک بلانے لگا۔ صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے ہمارے آدمی اس کے پاس چلے گئے۔

بھکشو چوڑی ہڈی کا ایک پستہ قد شخص تھا۔ اس کی آنکھیں شرانگیز ہونٹ پھٹے ہوئے اور خشک تھے۔ بال لمبے اور موٹے تھے۔ لیکن چہرہ کلین شیو تھا۔ وہ عاجزی، چاپلوسی اور قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ کھسیانی سی ہنسی ہستا گھٹنے اُٹھا کر گھاس میں اس طرح اکڑوں بیٹھ گیا جیسے خود کو چھپانا چاہتا ہو۔ ہم نے اپنے راشن کا بچا کھچا اسے دے دیا جو ہمارے ٹینوں میں فالتو بچ گیا تھا وہ بھکشو آنا فانا چٹ کر گیا۔ جب ایک شخص واپس جانے لگا تو بھکشو نے اسے روک لیا اور کہنے لگا۔

''آپ لوگ اس شہر میں کب سے رہ رہے ہیں؟''

''گذشتہ ستمبر سے۔''

''اوں ہنھ .....'' بھکشو تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔'' آپ لوگ کب تک جاپان واپس جا رہے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کو معلوم نہ ہو۔ کیا واپس جانے میں کوئی فائدہ ہے۔؟ سب کو پتہ ہے ان دنوں جاپان کس حالت میں ہے۔'' بھکشو نے اپنی کچیلی، سرخی مائل آنکھوں سے ہمارے آدمی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے حیرت سی پوچھا ..... اچانک ہمارے ساتھیوں پر یہ انکشاف ہوا کہ بھکشو فصیح و بلیغ جاپانی زبان میں گفتگو کر رہا ہے۔ چوڑے چکلے کندھوں والے کوتاہ گردن اور ہلکی پھلکی ملگجی داڑھی کے سبب کندہ جاپانی آوارہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی شکل مقامی باشندے سے ملتی جلتی تھی۔

''پہلے تم بتاؤ، کہا تم جاپانی ہو'' ہمارے آدمی ایک ساتھ چیخے

''شش!'' بھکشو نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ اس نے ایک بار پھر چاروں طرف اپنی نظریں دوڑائیں۔

''آپ سب نے مجھے دیکھ تو لیا ہی ہے۔''

''منہ، حلیہ تو دیکھو کیسا بنایا ہے۔ تم اس حلئے میں کتنے عرصے سے گھومتے پھر رہے ہو؟''

''تقریباً سال بھر سے''

''جنگ ختم ہونے سے پہلے کیا تم فوجی تھے۔''

''ہاں، بالکل''

''تم کیوں ایسی باتیں ہو اور کس لئے؟''

MashalBooks.org

''کس لئے؟'' سنو، مگر میں اپنی کمپنی کو رپورٹ کرتا ہوں تو مجھے سزا ضرور ملے گی۔ فرار ہونے کے بعد مجھے اپنا حلیہ بنانا پڑتا کہ اس طرح بھکشو بن کر گھومتا پھروں اور کسی کی نظر میں بھی نہ آؤں۔'' کپتان ہمیں باتیں کرتا دیکھ کر وہیں آ گیا ..... بھکشو نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ پھر کچھ سوچ کر دوبارہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھ گیا۔ کپتان کے سامنے آتے ہی پہلے تو اس نے اپنا ہاتھ پیشانی تک اُٹھا کر بیٹھے بیٹھے سلوٹ کیا پھر ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ بھی اب کپتان نہیں ہے اور میں تو ہوں ہی ایک مفرور جاپانی فوجی اور ایک بھکشو کے بھیس میں ہوں۔ دراصل یہاں میرے آنے کا مقصد یہ تھا کہ اپنے ساتھی فوجیوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر سکوں کہ کہیں انہیں حوالات میں تو نہیں ڈال دیا گیا! اگر نہیں تو وہ کیا کام کر رہے ہیں؟''

اس کی کہانی سننے کے بعد کپتان نے بلاچوں و چرا اسے اپنی کمپنی میں واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔ صرف کمپنی سے فرار ہونا اتنا سنگین جرم نہیں ہے۔ اس کی بہت معمولی سزا تمہیں ملے گی۔ تم بہادری کے ساتھ اسے قبول کیوں نہیں لیتے۔ اپنی خطاؤں کی تلافی خود ہنستے کھیلتے کرو اور دوسروں کے ہمراہ جاپان واپس چلے جاؤ کہ اس میں تمہاری بہتری ہے۔ وہاں جا کر مکمل یک جہتی کے ساتھ مل جل کر دوبارہ تعمیر وطن میں بھرپور حصہ لو۔ اپنے وطن، اپنے لوگوں سے پیچھے تنہا رہ جانے اور بقیہ ساری زندگی دھوکہ، فریب اور مکاری سے گذارنے اور ادھر ادھر آوارہ گردی کرنے میں ایسی کونسی بھلائی ہے؟'' ---------- کپتان نے اسے یقین دلانے اور وطن واپسی کی ترغیب دینے میں اپنی جانب سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اسے آمادہ کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن لاحاصل۔ وہ شخص ٹس سے مس نہ ہوا اور نہ ہی اس نے کپتان کی کوئی بات سنجیدگی سے سنی بلکہ ایک کان سنی اور دوسرے کان نکال دی۔''

''مجھے کسی طرح کی بھی کوئی سزا پسند نہیں، کپتان صاحب! میں کوئی سزا قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ بس میں تو چپکے سے وطن واپسی کا کوئی راستہ تلاش کر رہا ہوں۔'' بھکشو نے اپنی تنی ہوئی گردن پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے جواب دیا، اس کی گردن پر ایک بڑی سی پہاڑی جونک چپکی ہوئی خون چوس رہی تھی۔

برما کے جنگلوں میں ہولناک جونکیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ فرار کے دوران پہاڑوں میں یہ جونکیں ہمیں سخت اذیت سے دوچار کر دیتی تھیں۔ بعض اوقات یہ ہمارے کپڑوں تک میں

MashalBooks.org

گھس جاتیں حالانکہ ہماری آستینیں اور چرمی موزے بالکل کسے ہوتے۔ انہیں ہٹانا ناممکن ہوجاتا۔ان کا ربڑ جیسا لعاب دار، چپچپا اور لیس دار مادہ جسم کو لگ جاتا اور انہیں کسی طرح بھی کچلا یا مسلا نہیں جاسکتا تھا خواہ انہیں آپ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچا دیں یا انہیں نچوڑ کیوں نہ لیں یہ ہوتی ہی بڑی سخت جان تھیں۔ ہاتھ لگاتے ہی وہ آپ کی انگلیوں سے چپک جاتیں۔ پھر چھٹائے نہیں چھوٹتیں۔بھکشو ابھی تک جونگ پکڑنے میں برمی طرح مصروف تھا۔ بالآخر وہ جونگ پکڑنے میں کامیاب ہوگیا، جسے اس نے ایک قریبی درخت پر زور سے دے مارا۔

''اپنے لئے خوراک کا کیا بندوبست کرتے ہو؟'' کپتان نے پوچھا۔

''کافی خوراک''؟ وہ زور سے ہنسا۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔اگر آپ برما میں قیام پذیر ہیں اور بھکشو بنے ہوئے ہیں تو خوراک کے لیے فکرمند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ برمی لوگ اتنے نیک دل ہوتے ہیں کہ آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ لوگ آپ کی روزمرہ خوراک سے کہیں زیادہ آپ کو دے دیتے ہیں۔اگر میں آدھی بھی کوشش کرتا تو اس طرح دربدر بھیک مانگنے ہرگز مجھے نہ جانا پڑتا۔''

اس شخص کے بقول اور بھی بہت سے جاپانی فوجی مفرور ہوئے ہیں جواب بھکشو بن کر اپنا گزارہ کررہے ہیں۔ جاپان میں ان میں سے کچھ لوگوں کے مکانات تباہ یا خاندان لاپتہ ہوچکے ہیں۔ کچھ نے یہاں برما میں شادیاں کرلی ہیں اور چند جرائم میں ملوث ہوگئے ہیں۔ ان تمام باتوں نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں۔ اور انہیں وطن واپس جانا محال نظر آرہا ہے۔ ..... زیادہ تر لوگ بھکشو بنے ہوئے ہیں کیونکہ برما میں بھکشوؤں کی اتنی اچھی طرح دیکھ بھال کی جاتی ہے کہ ان کے بھوکا رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جاپانی لوگ اگرچہ طویل عرصے تک غیروں کے ساتھ رہے ہیں مگر وہ اپنے پرانے دوستوں کو ہرگز فراموش نہیں کرتے۔ غیر ملکیوں کے درمیان تنہا رہتے ہوئے اگر آپ اپنے پرانے یونٹ کے ساتھیوں کی جنگی قیدیوں کے کیمپ میں ملاقاتوں کے خواہش مند افراد کی مدد کرنا چاہیں بھی تو نہیں کرسکتے۔آپ خوشی خوشی اپنے دوستوں کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔،اس پتنگے کی مانند جو شعلے کی سمت دیوانہ وار کھنچا چلا آتا ہے۔آپ ان کی خیریت معلوم کرنے کیلئے آتے ہیں۔ کہ وہ کب تک اپنے وطن واپس جارہے ہیں۔اور یہ کہ کیا آپ کو بھی ان کے ساتھ چلا جانا چاہیے۔اگر آپ کرسکتے ہیں تو پھر عارضی طور پر یہیں برما میں کہیں قیام کرلیں۔ بہرحال وہ شخص

اپنے سابقہ ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔لیکن اسے علم نہ تھا کہ وہ لوگ کہاں کہاں ہیں۔ برما میں واقع جنگلی قیدیوں کے زیادہ تر کیمپوں کا وہ پہلے ہی دورہ کر چکا تھا۔ وہ لوگ اسے یہاں مودان میں کہیں دکھائی نہیں دے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ اگر ہم واپس چلے جائیں تو اس کے زندہ رہنے کا علم کم از کم اہل خاندان کو ضرور ہو جائے گا۔اس نے ہمیں شہر کا پتہ دیا اور پوچھا کیا ہماری کمپنی میں کوئی اور شخص تو اس جگہ کا نہیں ہے۔

جیسے جیسے وہ باتیں کرتا گیا ویسے ویسے وہ بالکل مطمئن اور پرسکون دکھائی دینے لگا۔اسے کپتان کی رحم دلی کے بارے میں علم ہو گیا تھا،جس سے اس سے اسے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ تھا۔آخر اس نے انتہائی شائستگی کے ساتھ اپنا مدعا بیان کر دیا۔ کپتان اس مفرور فوجی کی کہانی بغور سن چکا تھا۔ وہ اس شخص کا گرویدہ ہو گیا تھا کیونکہ جب اس نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو کپتان نے نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور سادگی سے کہا۔''اپنا خیال رکھنا۔'' مفرور فوجی کی بیزاری رخصت ہو چکی تھی۔اس نے جھک کر کپتان کو تعظیم کی اور چلا گیا۔ وہ پیچھے مڑ مڑ کر بار بار ہمیں دیکھتا رہا اور آخر کار جنگل میں داخل ہو گیا۔

اس رات کیمپ میں ہم سب لوگ اسی شخص کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ جو جاپانی فوجی بھکشو بن گئے ہیں وہ جنگی قیدیوں کے کیمپ میں آتے جاتے رہتے ہیں۔اس صورت میں ..... ہو سکتا ہے۔ وہ بھکشو جو ہجوم میں ہمیشہ پیچھے کھڑا تکتا رہتا ہے۔ وہ بھی انہی میں سے ہو۔ کیا وہ شخص کسی کا ہم شکل نہ تھا؟ ہو سکتا ہے وہی اصل آدمی ہو جس کی ہمیں شدت سے تلاش تھی۔لیکن یہ کس طرح ممکن تھا؟ کیا میزوشیما ابھی زندہ تھا؟ ایک مفرور فوجی زرد رنگ کے لباس میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔اب بھی ہماری آنکھیں جنگلے کے پاس ہجوم کے درمیان کھڑے اس شخص سے چار ہو جاتی تھیں۔ابھی تک اس نے ہم سے بات نہیں کی تھی۔ کیوں؟ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ غرض اس قسم کے بے شمار سوالات تھے جو ہمارے ذہنوں میں گردش کرتے رہتے تھے۔

بات ہی ایسی تھی۔ہم میں سے کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ آخر کہنا کیا چاہیے۔

''اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کپتان نے پوچھا۔'' ہو سکتا ہے میزوشیما زندہ ہو۔ آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ ہمارے پاس نہ آنے کی آخر اس کے پاس کوئی تو وجہ

ہوگی؟''.....

''ہم اس مفروضے پر یقین نہیں کرتے۔ ہم سب کا جواب ایک جیسا ہوتا۔ چند دن کپتان بہت پریشان رہا۔ اس نے چپ سادھ لی تھی۔ کھانے کو بھی بمشکل ہاتھ لگاتا تھا۔ یہ سلسلہ اتنے عرصے تک جاری رہا کہ ہمارے ایک بزرگ ساتھی کو مداخلت کرنا پڑی مگر وہ بھی اس کی زبان نہ کھلوا سکا۔ آخر مجبوراً سے کہنا پڑا۔

'' کپتان، میزوشیما کے ساتھ جو کچھ ہوا، بہت برا ہو لیکن آپ کیلئے یہی بہتر ہے کہ حقائق تسلیم کرلیں۔ اس کے زندہ رہنے کا اب کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ میزوشیما نے بہادری کے ساتھ اپنی جان قربان کردی۔ اس نے اپنے مقدس مشن کی تکمیل کی خاطر اپنی جان دے کر بہت سے ہم وطنوں کی جانیں بچالیں۔ اس نے شاندار ایثار کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ بچ گیا ہو۔ جب کبھی ہمیں اس کا کوئی ہم شکل مل جاتا ہے تو ہم فوراً آس لگا لیتے ہیں۔ لیکن اس بات کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ میزوشیما جب کبھی لنگی باندھ لیتا تو ہو بہو ایک برمی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کیونکہ سب برمی اس جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو جلدی یقین آجاتا ہے اور آپ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہے، آپ اپنے تئیں سب برمیوں کو میزوشیما سمجھ لیتے ہیں۔ ستار کی آواز کہیں سے آئے وہ مسلسل آپ کو اس کی یاد دلاتی رہتی ہے۔ کہ میزوشیما بھی تو اسی طرح بجایا کرتا تھا۔ ہم سب آپ کے بے حد شکر گذار ہیں کہ آپ نے انتہائی خوش اسلوبی سے اپنا فرض نبھاتے ہوئے اپنے ان آدمیوں کی اتنی اچھی طرح دیکھ بھال کی لیکن لمحہ بھر کیلئے ذرا سوچئے تو سہی کہ محض اس وجہ سے اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہوجاتا ہے۔ نصیب دُشمناں آپ کی صحت تباہ ہوجاتی ہے تو اس کا خمیازہ ساری کمپنی کو بھگتنا پڑے گا۔ خدا کے لیے اس حقیقت کو مان بھی لیجئے کہ میزوشیما کے زندہ بچ جانے کی اب کوئی اُمید باقی نہیں رہی۔'' ہمارا بزرگ ساتھی سنجیدہ اور کھرا شخص تھا۔ گفتگو شروع ہوتے ہی وہ کپتان کے سامنے سرد مہری کے ساتھ اس طرح بیٹھ گیا تھا کہ اس کا ایک ہاتھ اپنے گھٹنے پر اور دوسرا اس کے ہاتھ پر تھا۔ کپتان نے سر کے اشارے سے ہاں میں جواب دیا۔ میرے خیال میں تم درست کہتے ہو۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ وہ بہت زیادہ غمگین اور اداس دکھائی دے رہا تھا۔ بوڑھے شخص کی آنکھوں میں بھی آنسو تیر رہے تھے۔

MashalBooks.org

ساتواں باب

مردہ گھر میں مرمت کا سارا کام ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ انگریز فوجیوں کی لاشوں کی رونمائی کیلئے تیار تھا۔ اور ہم بھی فارغ ہو چکے تھے۔

جاپانی فوجیوں نے فوجی حکمت عملی کے تحت سیام سے برما کو ملانے کیلئے اندرون ملک ایسے دشوار گذار پہاڑی علاقوں میں ریلوے لائن تعمیر کی تھی جن کا نقشوں میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس ریلوے لائن کی تعمیر میں بے شمار برطانوی جنگی قیدیوں نے سخت محنت ومشقت سے کام کیا تھا۔ اُنہوں نے ہولناک حالات میں بے رحم وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر انتہائی دباؤ میں کام کیا تھا۔ سب سے زیادہ بدترین بات یہ تھی کہ ہیضے کی بیماری نے وبائی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس قدیم جنگل میں ناکافی سپلائی، سہولتوں کے فقدان اور امداد میں بیحد کمی کے باعث ہزاروں کی تعداد میں جنگی قیدی جاں بحق ہو گئے تھے۔ مرے پہ سو درے والی بات یہ تھی کہ کیمپ میں کوئی ڈاکٹر سرے سے دستیاب ہی نہیں تھا۔ غرض حالات انتہائی ہولناک تھے۔ جو لوگ مر گئے تھے انہیں بھی بے ڈھنگ پن اور بھونڈے طریقے سے دفن کر دیا گیا تھا۔ اب ان لوگوں کے پنجر اور ہڈیاں واپس وطن بھیجی جانے والی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے انہیں مردہ گھر کے وسیع ہال میں عارضی طور پر رکھا جانا تھا۔ چنانچہ وہ دن بھی آ گیا جب یہ لاشیں جوش وخروش کے ساتھ ایک سادہ مگر پروقار تقریب میں وہاں منتقل کی جا رہی تھیں۔ مردہ گھر میں کام کرنے کی وجہ سے ہمیں جنازے کا جلوس دیکھنے کی اجازت مل گئی تھی۔

MashalBooks.org

پہاڑی پر واقع پگوڈا کو جانے والی خاص سڑک کے کنارے دونوں جانب ایک ہجوم جلوس دیکھنے کی غرض سے اکٹھا ہو گیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بے شمار دوکانوں اور اسٹالوں کی ایک طویل قطار دور تک چلی گئی تھی۔ جب ہر قسم کی اشیاء کے تاجر اپنی چیزیں بیچنے کے لیے چیختے چلاتے۔ شور مچاتے ہر طرف دوڑتے پھر رہے تھے۔

ترکاریاں، گوشت، کیک، پھول کاسمیٹک کی ڈھیروں اشیاء ..... غرض تمام اشیاء برائے فروخت موجود تھیں حتیٰ کہ جاپانی فوجی وردیاں، امتیازی فوجی نشانات، اور اسی طرح کی دیگر بہت سی اشیاء وہاں فروخت کیلئے رکھی گئی تھیں۔ اس افراتفری کے عالم میں ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔ جگہ جگہ کھانا کھانے کیلئے اسٹینڈ بنے ہوئے تھے۔ جہاں لوگ رک جاتے ہیں۔ عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ بنچوں پر بیٹھ جاتیں، اور ان پرندوں کی مانند جو ٹیلیفون کے تاروں پر بیٹھے ہوں وہ کھاتے وقت گپ شپ کرتی رہتیں۔

میلے کا سماں تھا۔ ہر طبقے کے لوگ موجود تھے۔ مرد و زن اپنی اپنی چھوٹی زنانہ چھتریاں لگائے گذرتے رہے۔ آہستہ چلنے والی بیل گاڑیاں بھی تھیں، جنہیں ایک، یا دو تین بیل کھینچ رہے تھے۔ بیلوں کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور لمبے لمبے مڑے ہوئے سینگ تھے، اور نرالی سی، پتلی پتلی ٹانگیں، گاڑیاں خاص طور پر برمی وضع قطع کی تھیں جو سبک رفتاری میں ہوا سے باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ اور گاڑیاں بھی تھیں جن کی کھڑکیوں سے بلند مرتبہ خواتین جھانکتی نظر آتی تھیں۔ ان خواتین کے بالوں میں پھول گندھے ہوئے تھے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور چوڑیاں تھیں اور کانوں میں ہیروں سے مزین بندے اور بالیاں تھیں۔ ان کا سنگھار خلاف معمول تھا۔ لگتا تھا ان کے چہروں پر زرد رنگ کے پاؤڈر نے جگہ جگہ پیوند سے لگا دیئے گئے ہیں۔

ہم لوگ چوراہے پر ایک جانب قطار باندھے کھڑے تھے، دوپہر کا وقت گذر چکا تھا۔ ہمیں برطانوی جنازوں کا جلوس آتا دکھائی دیا۔ لوگوں کے ہجوم اور گاڑیوں نے احتراماً اسے راستہ دے دیا۔ وقتی طور پر مصروف ٹریفک، رک چکا تھا۔

مذہبی رسوم کے ساتھ یہ ایک پر وقار، بارعب اور شاندار جلوس تھا۔ سب سے پہلے گھوڑ سوار پولیس کا دستہ اپنے مکمل لباس میں گذرا گھوڑے ٹریفک کی رہنمائی کے لئے دل کی چال چل رہے تھے۔ پولیس والے سب کے سب جو عام طور ہر مسکرایا کرتے تھے۔ آج انتہائی سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی ٹھوڑی سے بندھے ہوئے چمڑے کے تسمے کسے ہوئے تھے۔ گھوڑے بنے

سنورے، اپنے چمکیلے بھڑکدار لباس میں تھے۔ جن کے اندر سے ان کے چکنے پٹھے ہلکے ہلکورے لے رہے تھے۔ وہ وہ دل کی چال چلتے ہوئے اپنے پھرتیلے پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ شاید اس لئے کہ وہ آج کی تقریب سے آگاہ تھے۔ ہجوم قابو میں رکھنے پر ان کی چستی اور مہارت قابل داد تھی۔

جلوس کا اہم حصہ آیا تو اسے ایک کمپنی نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ فوجیوں نے اپنی رائفلوں کے رخ اوپر کر لئے۔ وہ سب سرخ وسفید تھے۔ ان کے سینے باہر کی جانب اُٹھے اور تنے ہوئے تھے۔ اپنی شاندار وردیوں میں ملبوس وہ نمائش میں رکھے ہوئے قیمتی اور مہنگے گڈوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ ان کے محتاط مارچ سے گمان ہوتا تھا جیسے وہ مرغوں کا جوڑا ہوں جو باری باری آگے پیچھے جھول رہے ہوں۔

دوسرا دستہ فوج کے پادریوں کا آیا، ہر ایک کے سینے پر سیاہ عباؤں کے ساتھ ہی چاند کی صلیب آویزاں تھی، ان پادریوں میں کچھ تو اچھی خاصی عمر کے تھے، وہ پادریوں میں معزز معلوم ہوتے تھے۔ ان کے بال چاندی کی صلیبوں کی طرح، چاندی ہو رہے۔

پادریوں کے پیچھے خاصی تعداد میں ماتمی گاڑیاں تھیں جنہیں ہاتھی کھینچ رہے تھے ہر ایک ہاتھی کی پشت پر ہوہ کسا ہوا تھا۔ وہ ایک دیدہ زیب، خوبصورت نمدا پڑا ہوا تھا۔ پگڑی باندھے مہاوت اپنے آنکس سمیت ہوشیار و چوکنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھیوں کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں عبادت گذاروں جیسی تھیں۔ ان کی بل دکھائی لمبی لمبی سونڈیں تھیں۔ وہ جب سانس لیتے تو دمے کے مریض کی طرح ان کے حلق سے خرخراہٹ کی آوازیں نکلتیں۔ وہ اپنے بھاری بھرکم پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ ان کے چوڑے چکلے، بھاری بھرکم، جھریوں والے بے ڈول جسم زیورات سے آراستہ پیراستہ تھے۔ وہ ہماری نظروں کے سامنے چلتی پھرتی دیواروں کی مانند گذرتے رہے۔ جنازوں کی ماتمی گاڑیاں واقعی بڑی شاندار تھیں۔ دیودار اور آبنوسی لکڑی کی بنی ہوئی یہ گاڑیاں پھولوں کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ برطانوی جھنڈوں سے انہیں ڈھانپا گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ، خاموشی اور سکون کے ساتھ گذرتیں تو ہم سب لوگ سیلوٹ کیلئے اپنے ہاتھ اوپر کو اُٹھا دیتے۔ گاڑیوں کے اندر وہ لوگ تھے جنہوں نے ایک اجنبی سرزمین پر اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔ اب انہیں باوقار انداز میں ادب کے ساتھ بحفاظت تمام ان کی دائمی اور ابدی آرام گاہوں میں پہنچانے کیلئے عارضی طور پر مردہ گھر کے ہال میں لے جایا جا رہا تھا۔ ہم

MashalBooks.org

محتاط انداز میں مودبانہ اس جلوس کا نظارا کرتے رہے۔

ان گاڑیوں کے پیچھے ایک اور دستہ تھا۔ یہ اسکاٹش فوجی تھے جو اپنی انوکھی وردیوں، جھالر دار ٹوپیوں اور نیکروں میں ملبوس تھے، نیکر کیا تھے، چوڑی دھاریوں والے اسکرٹس تھے جن میں گھٹنے کھلے رہتے ہیں۔ اس کے بعد مختلف قسم کے فوجی اور سویلین شخصیات آئیں۔ ان میں ایک جماعت نوجوان خواتین کی تھی جو وضع قطع سے نرسیں معلوم ہو رہی تھیں۔ جو شائستہ اور مضبوط کردار کی حامل، مذہب پر پختہ یقین رکھنے والی اچھے خاندان کی فرد تھیں۔

بالکل آخر میں برمی باشندے تھے جو تقریباتی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اپنی کمرے کے گرد لنگیاں لپیٹے اور سروں پر کپڑا باندھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں سربرآور دوسرکاری عہدیدار اور اعلیٰ پائے کے بھکشو دونوں ہی شامل تھے۔ موخرالذکر حضرات میں کچھ ذی مرتبہ لوگ اور معمولی قسم کے بھکشو بھی تھے جنہیں اکثر بیشتر ہم سڑکوں پر دیکھا کرتے ہیں۔

برمی رواج کے مطابق جب ایک شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے ماتمی جلوس میں شامل بھکشوؤں کی تعداد ان برسوں کے برابر ہوتی ہے جتنے برس متوفی زندہ رہا۔ لازمی طور پر اس ماتمی جلوس میں اتنے زیادہ بھکشو نہیں تھے جن کی تعداد مرنے والوں کی کل عمر کے مساوی ہوتی۔ اس کے باوجود بھکشوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

جلوس دیکھنے کے دوران، ایک بار پھر ہمیں حیرت واستعجاب میں مبتلا ہونا پڑا۔ یہ تو ہو بہو وہی بھکشو ہے جو ہو بہو میزوشیما کی شکل کا ہے۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سامنے لگی ہوئی تھیں۔ وہ چمکیلی بھڑکدار زرد عبا پہنے ہوئے تھا۔ اس کا سر منڈھا ہوا تھا۔ اپنی عین جوانی میں وہ بلند مرتبے پر فائز کوئی عہدیدار معلوم ہوتا تھا۔ اس دن جب وہ پل پر ہمیں ملا تھا تو فضاء مغموم سی تھی۔ مگر آج اس موقع پر وہ زیادہ پروقار نظر آ رہا تھا۔ وہ ہمارے زندہ دل بے خوف اور نڈر ساتھی میزوشیما سے قطعاً مختلف تھا۔ میزوشیما کا چہرہ کرخت، خدوخال مضبوط اور ارادے اٹل تھے جبکہ اس شخص کا چہرہ زیادہ نرم وملائم چکنا اور تسلیم ورضا کا پیکر دکھائی دیا۔

البتہ ایک بات تھی جو غالباً اس بھکشو کو تمام دوسرے بھکشوؤں سے ممتاز کرتی تھیں..... سفید کپڑے میں لپٹا ہوا ایک چوکور صندوقچہ اس کی گردن سے لٹک رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے پکڑ رکھا تھا۔ اس طریقے سے تو جاپانی لوگ اپنے مردوں کی راکھ لے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں میں کوئی اور شخص صندوقچہ لیے ہوئے نہیں تھا۔ اس دن بھکشو کے

کندھوں پر کوئی ہرا طوطا نہیں تھا۔ وہ جوں ہی ہمارے سامنے گذرا اس نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں۔ یہ ایسا طریقہ تھا جو اس نے ہمیشہ روا رکھا تھا۔

''آہ'' کپتان نے دھیرے سے کہا۔

ہم نے یہ بات فراموش کردی تھی کہ ہم جس جگہ کھڑے ہیں۔ وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ ہم حیرت سے منہ پھاڑے دیر تک اس بھکشو کو دیکھتے رہے۔ وہ بالکل میزوشیما کا ہم شکل تھا۔ تاہم تھوڑا سا مختلف بھی۔ وہ جاپانی تھا مگر برمی زیادہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ جلوس میں شامل دوسرے تمام بھکشوؤں کی طرح تھا۔ لیکن صندوق صرف اس کے پاس تھا۔ بہت سے برمی آئے اور گذر گئے۔ پھر نذر، نذر رانوں سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں آئیں اور بالکل آخر میں خیرات کے متلاشی بھکاری آئے۔ غرض یہ عظیم الشان، بارعب اور شاندار جلوس اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

سڑک کے ساتھ ہجوم منتشر ہوگیا اور چوراہا ایک بار پھر لاابالی شور اور غل غپاڑہ کی آماجگاہ بن گیا۔ دور پہاڑی کی چوٹی پر واقع پگوڈا کے احاطے میں جلوس داخل ہو چکا تھا۔

کیمپ واپسی پر وہ رات ہم نے بحث کرتے گذار دی۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا، وہ میزوشیما ہی تھا'' کسی شخص نے تیزی سے کہا۔

''بہرحال یہی کیا کم ہے کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ فرار ہونے کے بعد وہ بھکشو بن گیا ہے۔''

''لیکن ہم سب لوگوں میں صرف وہی کیوں فرار ہوا تھا؟'' دوسرے نے پوچھا۔

''بھلا یہ بات کسے معلوم ہے؟ ..... کسی شخص نے اس کی بات کا جواب نہ دیا البتہ کچھ لوگ اس بات پر مصر تھے کہ میزوشیما مر چکا ہے۔ ..... میزوشیما کے ساتھ، ایسا کس طرح ہوسکتا ہے۔''

''تمہارے اپنے دماغ تو چل گئے ہیں ..... میزوشیما مر چکا ہے۔۔۔ اسے لاپتہ ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا ہے۔''

اور وہ زخمی فوجی بھی یہی بات کہتے ہیں۔'' اس کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''لیکن اس سرگم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ کپتان نے بھی تو سنا تھا۔؟؟''

''واہ، لیکن تمہیں کیسے علم ہوا کہ وہ .....''

''بھئی لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ بھکشو میزوشیما تھا، اس بات کی سب سے بڑی گواہی تو وہ صندوقچہ تھا جو اس کی گردن میں لٹکا ہوا تھا۔ یہ حرکت صرف ایک جاپانی ہی کرے گا۔ لوگوں نے

کہا۔'' جاپان سے روانگی کے وقت ہم نے جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی راکھ سے بھرے ہوئے ایسے بے شمار صندوقچے دیکھے تھے جو وطن واپس لائے جا رہے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم لوگ یہ بات سالہا سال سے دیکھتے چلے آ رہے تھے ..... حزن وملال کی ایسی غمناک فضاء میں اس سفید براق کپڑوں میں لپٹے ہوئے صندقچے واپس جانے والا ہر فوجی اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے تھا۔ رنج والم میں ڈوبے ہوئے لوگ، مرنے والوں کے عزیز رشتہ دار، ..... یار رنجیدہ اور، غمگین باپ اور اس کا بیٹا محوانتظار ہیں ..... بہرحال بھکشو کا یہ عمل اس کے جاپانی ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیا اس سے پہلے کبھی کسی شخص نے ایک غیر ملکی کو ایسا کرتے دیکھا؟'' وہ لوگ جو اس بات سے متفق نہیں تھے کہنے لگے۔۔۔'' یہ بھی کوئی ثبوت ہوا۔ فرض کرو وہ جاپانی ہے تو وہ برطانوی تجہیز وتکفین میں جا کر کیا کرے گا؟''

وہ صندوقچہ کیوں لے جائے گا؟ یہ ناممکن کہ وہ برطانوی فوجیوں کی راکھ ایک صندوقچے میں لے جائے! تمہیں کیونکر یقین آ گیا کہ وہ صندوقچہ جاپانی تھا؟ بری لوگ، ہوسکتا ہے ایسا چوکور بکس استعمال کرتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان صندوقچوں کو سفید کپڑوں میں لپیٹتے ہوں۔ اور انہیں اپنی گردن سے لٹکاتے بھی ہوں۔ ایک شخص جو میز وشیما کا ہم شکل ہو۔ جاپانی نظر آتا ہو۔ اور وہ صندوقچہ لے جا رہا ہو۔ اس کے متعلق ایسا گمان کر کے اتنا بے چین ہوا جائے۔ ایسی تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

''یہ کیا بات ہوئی؟'' تم تو ایسا کہہ رہے ہو جیسے تم نے کوئی آسیب دیکھا ہو۔'' یہ بحث جاری تھی کہ ایک شخص نے قدرے غصے میں کہا، ہم سب لوگ جنگ کی وجہ سے تقریباً نیم پاگل ہوگئے ہیں۔ ہم شدت جذبات سے مغلوب ہو کر، مجنونانہ حرکتیں کرنے والی ہسٹیریائی بوڑھی عورت کی طرح بک بک کئے جا رہے ہیں۔ ہمیں چاہیے ایسی توہم پرستانہ اور ضعیف الاعتقادی پر مبنی باتیں ختم کریں۔ پھر ایک غصیلی آواز ابھری، ''کتنی دکھ بھری اور افسوس ناک بات ہے۔ میز وشیما کی اس سے بڑھ کر اور کیا توہین ہوگی کہ اس کے بارے میں لغو، مفروضہ جھوٹی باتیں کی جائیں۔ جب کہ اس کی موت کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس نے تو اپنی جان مردانہ وار اپنے اہل وطن کی خاطر نثار کر دی۔ وہ ہرگز اتنا بزدل نہیں ہوسکتا کہ مفرور ہو جائے اور ایک بھکشو کی طرح مارا مارا پھرتا رہے!''

اس رات کپتان سب کی باتیں صرف سنتا رہا مگر اس نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

آٹھواں باب

تاہم دوسرے دن سے کپتان نے عجیب حرکتیں کرنا شروع کر دیں۔ وہ کہیں سے ایک ہرا طوطا لے آیا۔ جس کے بال و پر نچے ہوئے تھے شاید پرندے کو زیادہ عرصے تک نظر انداز کیا جاتا رہا تھا کپتان نے اسے تربیت دینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اسے سکھانے لگا۔ ''وہاں ادھر۔'' کپتان اس کے پروں کو سہلاتے ہوئے کہتا۔ ''یہ کتنی بری بات ہے کہ کسی نے بھی تمہاری اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کی اب میں تمہاری نگہداشت کروں گا اور تم میری خاطر جاپانی میں بات کرو گے۔''

طوطا کپکپانے لگتا جیسے اسے بہت زیادہ خوشی ہوئی ہو۔ وہ اپنی سخت خرار چونچ کئی بار چٹا چٹ مارتا اور اپنی سیاہ ربڑ جیسی زبان سے کپتان کے ہاتھ پر جھپٹتا اس کے بعد کپتان طوطے کو اپنے ساتھ ہر کھانے میں شریک کرنے لگا۔

''اے میزوشیما!'' کپتان کہتا اور جب طوطا معاً وہی الفاظ دہراتا تو وہ اسے اپنی ہتھیلی پر چاول رکھ کر کھلاتا۔

پھر وہ کہتا۔ ''ہمیں جاپان واپس جانا ہے'' جب پرندہ یہی الفاظ دہراتا تو کپتان اسے تھوڑا سا گوشت کھانے کو دیتا اور پھر کہتا۔ ''اکٹھے!'' کپتان اسے تھوڑی سی چوری دیتا تو پرندہ پوری بات ایک جملے میں ادا کر دیتا۔

MashalBooks.org

غرض یہ سلسلہ دس روز تک مسلسل جاری رہا..... جیسے ہی کپتان ٹین کھولتا تو طوطا بری طرح چیخنے لگتا اور تیز چھبتی ہوئی آواز میں وہ الفاظ ادا کرتا ..... کپتان یہ سب حرکتیں کیوں کر رہا تھا؟ کوئی شخص اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کی ان باتوں سے ہم سب تشویش میں مبتلا تھے۔ اور بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے۔ ہم حیران تھے کہ کہیں کپتان میزوشیما کے دکھ میں اعصابی کمزوری کا شکار ہو تو نہیں ہو گیا؟ اس حالت میں ہم بے بسی اور جھنجھلاہٹ محسوس نہ کرتے تو کیا کرتے، طوطا اچانک آدھی رات کو چیخنے لگتا''اے میزوشیما! اے میزوشیما! ہمیں اکٹھے جاپان واپس جانا ہے!''

ایک بار پھر بزرگ ساتھی نے کپتان سے دوٹوک بات کی''دیکھئے کپتان صاحب، اس نے کہا۔'' طوطے کو اس طرح کی باتیں سکھانے کا کیا فائدہ؟ ٹھیک ہے آپ میزوشیما کی موت کا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ مگر آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ تم نے خود اسے مشن پر بھیجا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ آپ نے اسے مرجانے کا حکم دیا تھا۔ اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد کم از کم اسے یہ سکون تو ہوگا کہ اسکی موت رائیگاں نہیں گئی۔۔۔ لیکن اگر آپ اسی طرح اس کا ماتم کرتے رہے اور یہ طوطا بھی دن رات آپ کا پڑھایا ہوا سبق الاپتا رہا تو ہمارا سارا مورال تباہ ہو جائے گا۔۔۔۔۔ جنگی قیدیوں کی مصائب سے بھرپور اس زندگی میں امورالی کا مطلب بہت کچھ ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں جب ہر شخص اپنے گھر جانے کا آرزومند ہو اور بے چین ہو تو انہیں بجائے حوصلہ دینے کے مزید افسردہ اور بددل کرنا مناسب نہیں اس لئے براہ کرم اپنے حوصلہ بلند رکھنے کی کوشش کیجئے۔ جناب''۔ لمحے بھر کے لیے ایک تکلیف دہ خاموشی طاری رہی۔ پھر کپتان نے قدرے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔'' چاہے یہ بات لوگوں کو احمقانہ دکھائی دے مگر میں نے اُمید کا دامن ابھی نہیں چھوڑا ہے۔ اور شاید کبھی نہ چھوڑ سکوں بہر طور میں اس بھکشو کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔ اگر وہ میزوشیما نہیں ہے تو پھر ٹھیک ہے وگرنہ حقیقت حال معلوم کئے بغیر میں چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

مشکل تو یہ ہے کہ میرے پاس اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ بات اگرچہ ناقابل یقین ہے کہ میں طوطے کو ایک ذریعہ بناؤں لیکن میں ایسا نہ کروں تو پھر پیغام رسانی کا میرے پاس اور کونسا ذریعہ ہے۔ میں کس طرح بھکشو کو پیغام بھیج سکتا ہوں؟ میں نے طوطے کو پہلے ہی کافی تربیت دے دی ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ بھکشو کے نظر آتے ہی طوطا اس کے

MashalBooks.org

کانوں میں یہ الفاظ دہرائے۔ چونکہ دونوں طوطے بھائیوں کی طرح ہیں۔ اس لئے ہمارے طوطے کو اڑ کر اس طوطے کے پاس جانا چاہیے۔ میری ناچیز سوچ کچھ اس طرح کی ہے۔ بہرحال مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ سب لوگوں کو پریشان ہونا پڑا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ لوگ اور تھوڑا عرصہ اس طوطے کو برداشت کرلیں گے۔ میرے خواہش یہی ہوگی کہ سارا کام منصوبے کے مطابق انجام پا جائے۔''

''آخر یہ کپتان ہے تو ہمارا ہی۔'' ہم نے سوچا۔ اس لئے ہم نے طوطے کو سکھانے کا کام اور تیز کر دیا۔ تاہم وہ بوڑھا شخص کپتان کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند رہنے لگا۔ وہ غصے کے عالم میں طوطے کو خونخوار نگاہوں سے گھورتا رہتا۔ وہ کبھی اپنا سر ہلانے لگتا اور کبھی ٹھنڈی آہیں بھرنے لگتا۔

کپتان بہت پہلے سے میزوشیما کے بارے میں خبر میں حاصل کرنے کی کوششیں کرتا رہا تھا لیکن ہمیشہ ناکام رہا تھا۔ بہت عرصہ پہلے وہ کیمپ انچارج برطانوی افسر کے علم میں یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ لا چکا تھا۔ اور اس سے مزید معلومات حاصل کرنے کی درخواست کر چکا تھا۔ افسر بہت ہمدرد تھا۔ اس نے کئی انکوائریاں کیں مگر ناکام رہا۔ بہت سے برطانوی فوجی جنہوں نے تکونی چوٹی کی لڑائی میں حصہ لیا تھا، اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ زخمی جاپانی فوجیوں کو مودان سے کہیں اور بھیجا جا چکا تھا۔ پھر ان کی حالت کے پیش نظر انہیں وہاں سے بھی مختلف ہسپتالوں کو منتقل کر دیا گیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ لوگ کہاں بھیج دیئے گئے ہیں۔ اگر ہمیں علم بھی ہو جاتا تب بھی ایک جنگی قیدی کے لیے تحقیق حال کی غرض سے وہاں جانا ناممکن تھا۔ تمام برطانوی فوجی جو صحیح صورت حال سے واقف تھے اس بات پر متفق تھے کہ میزوشیما مر چکا ہے۔

اسی اثناء میں کپتان نے بھکشو کے نام دوسرا خط بھی لکھ دیا۔ خط کے ایک حصے میں اس نے لکھا۔

''اگر تم واقعی میزوشیما ہو تو برائے کرم فوراً ہمارے پاس آ جاؤ۔ تمہیں شائد اندازہ نہیں کہ ہم تمہاری کمی کتنی محسوس کر رہے ہیں۔ تمہاری واپسی میں حائل تمام خوف واندیشے دور کر دیئے جائیں گے۔ تمہاری مشکلات کا حل نکال لیا جائے گا۔ میں تم بھکشو کا روپ دھارے ہر طرف چکر کیوں لگا رہے ہو؟''

MashalBooks.org

ماتمی جلوس کے تھوڑے عرصے بعد طوطے کی تربیت مکمل ہوگئی۔ چیزیں بیچنے والی بوڑھی عورت ہم لوگوں سے ملنے آئی تو کپتان نے وہ خط اس کے حوالے کیا اور کہا ''یہ خط ہرے طوطے والے بھکشو کو پہنچا دینا۔'' یہ سنتے ہی وہ عوت تڑپ کر دور جا کھڑی ہوئی جیسے اس نے اپنی انگلیاں جلالی ہوں۔

''نہیں! ہرگز نہیں!'' وہ چیخنے لگی۔ ''اگر مہاتما بدھ خود آ کر مجھ سے کہیں تو بھی میں یہ دوسرا خط بالکل نہیں لے جاؤں گی۔ پہلے ہی مجھے تنبیہ کی جا چکی ہے اب حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گی۔''

جب خط لے جانے پر وہ عورت تیار نہیں ہوئی تو کپتان نے اس سے صرف یہ معلوم کرنے کو کہا کہ وہ بھکشو آخر کون ہے؟ لیکن اس نے یہ کام کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ کپتان نے ہر طریقہ آزمایا۔ طرح طرح کی ترغیب دی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ پھر کپتان نے اپنی گھڑی دی کہ وہ اپنے بیٹے کو دے دے۔ آخر کار یہ حربہ کامیاب رہا اور وہ بے دلی سے اس بات پر راضی ہوگئی کہ جتنی باتیں اسے معلوم ہوسکیں گی وہ آ کر بتائے گی۔ کپتان نے اسے یہ چند باتیں معلوم کرنے کو کہا۔

''وہ شہر میں پہلے کب آیا تھا؟'' ''کیا وہ اب بھی ستار بجاتا ہے؟'' ''جلوس کے دوران اس کے گلے میں کس قسم کا صندقچہ لٹکا ہوا تھا؟''

بوڑھی عورت نے سرسری سی بات سنی اور اپنے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے'' اس نے حقارت سے کہا۔ ''تم ایسے سوالات کیوں پوچھنا چاہتے ہو؟؟ سارا برما بھکشوؤں سے بھرا پڑا ہے۔ وہ ہمیشہ سفر کرتے رہتے ہیں۔

ان کی خاصی تعداد ستار بجاتی ہے۔ اس بات سے کسی کو بھلا کیا سروکار کہ وہ اپنے گلے میں کیا لٹکاتا ہے اور کیا نہیں لٹکاتا۔ اس قسم کے فضول باتوں سے فکر مند ہونے کی بجائے تم جاپانی فوجیوں کو پوجا پاٹ پر دھیان دینا چاہیے۔''

''جی ہاں، ہمیں معلوم ہے دادی جان۔'' اس نے کہا۔ ''براہ کرم ہماری کا طرح کسی طرح یہ باتیں معلوم کر دو اگر وہ بھکشو اتنا اچھا آدمی ہے تو ہم اس کے چیلے بن جائیں گے اور پھر دیکھنا ہم کتنے زیادہ مزہبی ہو جائیں گے۔'' تھوڑی سی بحث کے بعد وہ ایک اور کوشش کرنے پر رضامند

ہوگئی۔

ہمیں اس عورت کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا۔ کپتان تو اتنا بے تاب تھا کہ اس نے برطانوی افست سے دوبارہ تحقیقات کرنے کی اپیل کردی۔ لیکن بدقسمتی سے اس نے انکار کردیا۔ کیونکہ ہمارے کپتان کی کہانی کچھ عجیب وغریب اورانوکھی باتیں شامل ہوگئی تھیں۔

اس کی باتیں سن کر پہلے تو بھاری بھرکم' کشادہ کندھوں والا انگریز اپنی کرسی میں دھنس گیا پھر دفعتاً اس کی نیلی آنکھوں میں ایک مشتبہ شبیہ ابھری اوراس کی سنہری مونچھوں نے ایک دم پھڑکنا شروع کردیا اس نے قہقہہ لگایا۔

''ستار کے سرگم سے نکلنے والے چند سرہوا کے دوش پر فضاء میں بکھر گئے۔۔۔۔اور تمہیں 'میرے بھولے باشاہ یقین ہوگیا کہ اس کے مردہ جسم میں جان پڑ گئی ہے وہ شخص زندہ ہوگیا ہے!بہت خوب' یہ قطعی ایک شاعرانہ تخیل ہے۔ تمہیں تو ہمیشہ خواب دیکھتے رہنا چاہیئے''۔۔۔۔۔۔افسر بولے چلا گیااور بے چارہ کپتان کچھ بھی تو نہ کہہ سکا۔

وقت کا نہ تھمنے والا چکتر چلتا رہا۔اس دوران طوطے کی تربیت بھی مکمل ہوچکی تھی۔ بوڑھی عورت جب دوبارہ واپس آئی تو حسب معمول وہ اونچی آواز میں ادھرادھر کی ہانکتی رہی مگر اصل بات پر نہ آئی حالانکہ کپتان بے چینی کے ساتھ معلومات کے لیے برابر زور دیتا رہا۔ بالآخراس نے ہمیں حسب ذیل معلومات فراہم کیں۔

''وہ بھکشوتو ایک حیرت انگیز شخص ہے۔ وہ کوئی معمولی شخص نہیں' بلکہ نہایت مقدس' پاکباز اور نیک شخص ہے۔ پگوڈا پگوڈا پھرا کرتا ہے۔لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔اسے نذرانہ پیش کرتے ہیں۔بچپن میں اس نے انتہائی مشکلات ومصائب میں گھرے رہنے کے باوجود اپنی تعلیم جاری رکھی تھی!وہ ایک مخصوص بازوبند ہروقت باندھے رہتا ہے۔آپلوگ جانتے ہیں وہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ کہ بھکشوؤں میں اسے ذی رتبہ اور غیر معمولی مقام حاصل ہے۔۔۔۔۔اسے گرد کا خطاب ملا ہوا ہے۔۔۔۔کسی کو اس بات سے کیا مطلب کہ وہ کہاں جاتا ہے؟ بازوبند پر ایک ڈوری سے باندھا جاتا ہے۔صرف بڑا عالم اور پاکباز بھکشو یا وہ شخص جس نے خاص طور پر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں وہ بازوبند باندھنے کا اہل ہوتا ہے۔کوئی ایرا غیرا اسے نہیں پہن سکتا بلکہ دوسرے تمام بھکشو جب اسے دیکھتے ہیں تو احتراماً جھکتے ہیں اور الٹے قدموں واپس چلے جاتے ہیں۔

اس کی گردن میں حمائل صندوقچہ کے بارے میں .... ایک ہم ہی نہیں اور سب لوگ بھی متفکر تھے۔ اچھا، پھر میں نے دوسرے بھکشو سے پوچھا کہ اس صندوقچہ میں کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے اندر ایک بڑا یاقوت تھا۔ کچھ اور بھکشو بھی اس کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اُنہوں نے بتایا کہ برما یاقوتوں کے لیے مشہور ہے۔ آپ نے شاید ہی اتنا شاندار یاقوت کبھی دیکھا ہو جتنا بڑا اور شعلہ فشاں وہ سرخ یاقوت ہے۔۔۔۔۔ خیال ہے کہ اس نے برطانوی فوجیوں کی یاد میں اسے پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

''بہرحال، وہ بھکشو ایک نوجوان شخص ہے۔۔۔۔۔ جس کا ہر شخص شکرگزار رہتا ہے۔ اکثر وہ یہاں موودان آتا ہے۔ لیکن بھکشوؤں کے کہنے کے مطابق اس کا زیادہ تر وقت یاترا میں گزرتا ہے ۔ کبھی پہاڑوں پر چلا جاتا ہے۔ کبھی نیچے وادی میں آ جاتا ہے۔ وہ تمام مقامات پر عبادتیں کراتا رہتا ہے۔''

پھر وہ بوڑھی عورت کچھ بڑبڑانے لگی۔ شاید وہ سوتر پڑھ رہی تھی۔ اس نے ہماری آخری اُمید پر بھی پانی پھیر دیا تھا۔۔۔۔ ظاہر ہے اتنا باوقار اور مفرور بھکشو، ہمارا مفرور نہیں ہوسکتا۔ اگر اس صندوقچہ میں یاقوت تھا بھی تو اس کا جاپان کے طور طریقوں اور رسم و رواج سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یقینی طور پر یہ بات ثابت نہیں ہوتی تھی کہ بھکشو کوئی جاپانی ہے، ہم سب لوگ، جو ابھی تک اس اُمید موہوم سے چمٹے ہوئے تھے کہ میزوشیما زندہ ہے۔۔۔۔۔۔ اب قطعاً نااُمید ہو چکے تھے۔۔۔۔۔ ہم نے سوچا تھا کہ اس بوڑھی عورت سے اپنے تربیت یافتہ طوطے کی بات کریں گے تاکہ اسے بھکشو کے کندھے پر بٹھایا جاسکے لیکن ہم نے پھر وہ سوال بھی نہیں کیا۔''

اس رات جب ہم اپنے کھانے کے ٹین کھول رہے تھے تو کھڑ اکھڑاہٹ کی آواز آئی یہ آواز طوطے نے بھی سنی اور وہ زور سے چیخا۔ ''اے میزوشیما! ہم سب کو اکٹھے جاپان جانا چاہئے'' کپتان کے اعصاب پر ایک طرح کا بوجھ تھا۔ ایک طویل عرصے تک دکھ جھیلتے رہنے کا دباؤ اس کے چہرے سے نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کی نیندیں اڑ چکی تھیں۔ وہ مسلسل کشمکش کی حالت میں تھا اس لیے چڑچڑا اور مشتعل ہو رہا تھا لگتا تھا جیسے سخت تکلیف میں مبتلا ہو۔ اس کی یہ تکلیف دور کرنے کیلئے بزرگ شخص نے ایک اور کوشش کی تھی۔ اس نے طوطے سے گلوخلاصی کیلئے اسے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن ہوا یوں کہ وہ اڑنے کے بعد جلد ہی نیچے ہوئے بال و پر کے ساتھ ایک بار پھر ہمارے پاس آ گیا اور حسب معمول ہماری چھت پر واقع اپنے اڈے پر بیٹھ گیا۔

نواں باب

جنگ میں کام آنے والے انگریز فوجیوں کی میموریل سروس، مذہبی رسوم کے ساتھ پروقار انداز میں کئی دن جاری رہی۔ اس عرصے میں ہمیں آرام کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن جوں ہی یہ رسومات ختم ہوئیں ہمیں دوبارہ مردہ گھر جانا پڑا تا کہ ہر چیز کو قرینے سے واپس اسی کی جگہ رکھ دیں۔

ایک بڑا وسیع ہال تھا۔ جس میں ہر طرف ریک ہی ریک تھے۔ بڑے بڑے تختوں سے بنائے ہوئے خانوں کے اندر قطار در قطار ایک دوسرے کے برابر خاک دان رکھے ہوئے تھے۔ لیکن ان خاک دانوں کی تعداد تعجب خیز تھی۔ یہ منظر دیکھ کر ہمیں جاپانی فارم ہاؤس میں دیواروں کے ساتھ ساتھ ریشم کے کویوں کے خانے یاد آ گئے تھے۔

ہم تعظیم کیلئے مودبانہ جھکے، یہ تمام لوگ، جن کی باقیات یہاں لائی گئی تھیں برما کے نامعلوم سنگلاخ پہاڑوں میں تھکن اور کمزوری سے چور ظالم طاعون اور ہیضے کی وجہ سے فوت ہو گئے تھے۔ یہ ان لوگوں کی خوش قسمتی تھی کہ بعد از مرگ ان کی دیکھ بھال، ادب ولحاظ کے ساتھ پروقار طریقے سے کی جا رہی تھی۔ حالانکہ ان کی صرف ہڈیاں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ وہ جلد از جلد وطن واپس چلی جائیں گی یوں وہ اپنی آبائی سرزمین میں ابدی سکون حاصل کر سکیں گی۔ یہ ڈھارس اور دلاسہ ہی تو تھا۔ ورنہ ان کی سفید فارم ہڈیاں یونہی بے گور وکفن رشتے داروں اور دوستوں سے

بہت دور برما کے دور افتادہ جنگلوں اور بے آب و گیارہ پہاڑوں میں چھوڑ دی جاتیں تو شاید ان کی روحیں سخت کرب و اذیت میں مبتلا رہتیں اور ہمیں کبھی معاف نہ کرتیں۔ ویسے بھی ہم لوگ جو ابھی زندہ تھے خود کو ہرگز معاف نہ کرتے۔ بہرحال ہم سب بھی بہت خوش تھے کہ تجہیز و تکفین میں کم سے کم ہماری مدد بھی شامل تھے۔

یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم صحیح سلامت تھے ہم قیدی تھے لیکن یہ بات کیا کم تھی کہ ہمیں کبھی اس خوف و دہشت سے واسطہ نہیں پڑا تھا جس سے وہ دوچار ہوئے تھے مقررہ وقت پر ہم لوگ اپنے کیمپ میں آسکتے تھے۔ کوئی پابندی نہیں تھی۔ مرنے والوں کے مصائب اور دکھوں کو ہم نے اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کیا تھا۔۔ دُعا مانگنے کے بعد دہم ہال میں گھوم رہے تھے کہ اچانک ایک بوڑھا فوجی چلایا۔

''ادھر دیکھو! وہ تو وہاں موجود ہے۔'''نسبتاً ایک تاریک سے گوشے میں، ایک ستون کے ساتھ ہمیں ایک چوکور صندوقچہ رکھا نظر آیا۔ جو سفید کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔

اگر وہ جاپانی مردہ گھر ہوتا تو ہر شخص محض ایک ہی بات سوچتا کہ اس صندوقچہ میں کس جاپانی فوجی کی راکھ ہوگی۔ لیکن چند وجوہ کی بنا پر اب یہی سمجھا گیا کہ اس میں بڑا سرخ یاقوت ہوگا۔ کپتان نے اسے دیکھتے ہی حیرت سے ایک چیخ ماری پھر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا۔ وہ اپنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے وہ بدحواس ہو گیا ہو۔ ہم حیران تھے آخر اسے ہو کیا گیا ہے۔ وہ اٹینشن کھڑا سلوٹ کر رہا تھا بعد میں کپتان کا رویہ ہمارے لئے اور بھی ناقابل فہم ہو گیا۔ اس دن بزرگ ساتھی کی پیشانی پر جھنجھلاہٹ بدمزگی اور کرب کے آثار نمایاں ہوئے وہ ناراض تھا۔ ایسے شرمناک منظر سے بچنے کیلئے وہ ہمیں گھسیٹ کر باہر لے گیا۔ جاتے جاتے پیچھے مڑ کر ہم نے سادہ سے صندوقچہ کو پھر دیکھا جو کونے میں پڑا حقیر اور کم تر دکھائی دے رہا تھا۔

ہم لوگ نزدیک ہی جنگل میں چلے گئے جہاں ایک صاف سی جگہ پر بیٹھ گئے۔ کپتان کے عجیب و غریب رویے میں ابھی تک کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس کا چہرا وقفے وقفے سے چمک اُٹھتا تھا۔ گویا خوشی ٹپکی پڑ رہی تھی۔ وہ خوش دلی کے ساتھ اپنے آپ سے اپنے باتیں کرنے میں مشغول تھا۔ جو ہمیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ہاں، ہاں، یقیناً اس نے کہا اور پھر ہنسنے لگا۔ کبھی وہ اپنے ہاتھوں سے تالی بجاتا اور آسمان کی جانب بادلوں کو تکنے لگتا .....

''اس طرف دیکھو!'' ایک آدمی نے اپنے دوست کو کہنی ماری۔'' ہوسکتا ہے کپتان کے اعصاب جواب دے گئے ہوں۔''

''ہوسکتا ہے۔'' دوست نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔'' یہ بھی تو ممکن ہے کہ اپنی خوشی کے اظہار کے لئے اس نے یہ طریقہ اپنایا ہو۔''

موسم گرم، ہوا بھاری اور سست رفتار تھی۔ گرم خطوں میں ہر شئے شدید تر اور چمک دار ہوتی ہے۔ اور یکسانیت کے ساتھ سارا سال اسی طرح قائم رہتی ہے۔ تبدیل نہیں ہوتی، آپ شاید محسوس کرنے لگیں جیسے وقت ہمیشہ اسی طرح بہے چلا جائے گا۔ سورج حسب معمول پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ ہم جہاں بیٹھے تھے وہاں کوئی سایہ نہ تھا لہٰذا سرخ رنگ کے سوسن کی چمک ہماری آنکھوں کو تکلیف پہنچا رہی تھی۔

مہاتما بدھ کا ایک بہت بڑا مجسمہ ہمارے سامنے الیستادہ تھا۔ اور اس کے عقب میں دیوار جیسی ایک چٹان تھی۔ ہمارے چاروں طرف جنگل ہی جنگل تھا۔ ایک درخت بدھ کے مجسمے پر جھکا ہوا تھا۔ درختوں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور بندر ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چھلانگیں مارتے پھر رہے تھے۔ یہ برما کا ایک مثالی نظارہ تھا۔

اس ملک میں جاپان کی نسبت مہاتما بدھ کی شبیہہ مختلف ہوتی ہے۔ ٹیک لگائے ہوئے مجسمے تو لاتعداد ہیں۔ ان میں کچھ کی بلندی پچاس ساٹھ فٹ تک ہے۔ مجسمے کا آدھا اوپری حصہ کھڑا ہوتا ہے، ان کے سر بے حد چھوٹے ہوتے ہیں اور ان کے جسم کے خدوخال ہلکے نرم اور بہتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ نہ تو مرد دکھائی دیتے ہیں نہ عورت، جبکہ ان کے چہرے اور جسم کے خطوط واضح اور تیز رنگوں سے پینٹ کئے جاتے ہیں، جلد کا رنگ سفید کریمی رنگ کا ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیومیک اپ کئے زندہ آپ کے سامنے پڑا ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص انہیں دیکھ لے جس نے پہلے کبھی انہیں نہ دیکھا ہو تو اس کے اوسان ضرور خطا ہو جائیں۔ سدا بہار برگدا کی جڑوں کے گچھیوں کے نیچے بدھ کا ایک بہت بڑا مجسمہ پڑا تھا جو اس بوسیدگی کے باعث مرجھایا ہوا لگتا تھا اس کے باوجود مسکراہٹ اس کے چہرے سے کھیل رہی تھی وہ اپنی بڑی بڑی بلوری آنکھوں سے ہمیں تکے جا رہا تھا۔

یکا یک کپتان تیزی سے اچھلا اور کہنے لگا؟'' اچھا، تو گانے کے بارے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟'' یہ ہمارے لئے اچنبھے کی بات تھی۔ ایک طویل عرصے بعد اس نے ہم سے

مشورہ طلب کیا تھا۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ہم نے فی الفور گانا شروع کر دیا۔

ایک مرتبہ پھر گانا گاتے ہوئے ہم لوگ کھو سے گئے ہم گانے میں اتنے مگن ہو گئے کہ دُنیا و مافیہا کا خیال نہ رہا۔ ہماری آوازیں گونجتیں، سنگلاخ چٹانوں سے ٹکراتیں اور پھر ان کی صدائے بازگشت سنائی دیتی۔ بدھ کا برا مجسمہ ٹیک لگائے، اس طرح لیٹا رہا جیسے وہ خود توجہ سے گانا سن رہا ہو۔

ہمیں گانا گاتے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اچانک ایک خوبصورت آواز دور سے سنائی دی جو ہمارے گانے سے میل کھا رہی تھی۔ گانے کے بول ہو بہو ہمارے گانے جیسے تھے۔ ہمارے لئے فاصلے کا تعین کرنا مشکل تھا کہ وہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ البتہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آواز اونچے درختوں کی پھنچیوں سے یا پھر زمین سے آ رہی ہے۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے تھے کہ وہ آواز ۔۔۔۔ یقیناً ہمارے گمشدہ ساتھی کے ستار کی آواز تھی اب ہم گا بھی رہے تھے اور حیران و پریشان چاروں طرف دیکھتے بھی جاتے تھے، لیکن کپتان سے زیادہ شاداں و فرحاں بھلا کون ہوگا۔ وہ جوش و خروش کے ساتھ ہماری رہنمائی کرتا رہا۔ گویا اب ستار اور ہمارے کورس کے درمیان ایک مقابلہ بن گیا تھا۔

جہاں ہم تھے، وہاں سے پگوڈا زیادہ دور نہ تھا۔ اس کی جھکی ہوئی بہت سی چھتیں ایک دوسرے کے اوپر ڈھیری کی شکل میں رکھی ہوئی تھیں۔ مچھلیوں کی درجہ بندی کی طرح ہر ایک درجے کے آخر میں گھنٹی نصب تھی۔ پہلے تو ہم نے سوچا کہ یہ آواز گھنٹیوں کے بار بار ٹن ٹن بجنے سے آ رہی ہے لیکن وہاں تو ہوا بھی ساکت ہو چکی تھی۔ جتنا غور سے ہم سنتے اتنا ہی زیادہ آواز ہمیں اکتاہ کی اس آواز کی طرح سنائی دیتی ۔۔۔۔ جو ہم نے آخری بار۔ تقریباً ایک سال پہلے، اس وقت سنی تھی جب ہم نے پہاڑوں میں راہ فرار اختیار کی تھی۔

ہمارا گانا ختم ہو گیا لیکن ستار کی بلند آواز چند لمحوں تک ہمیں سنائی دی پھر بند ہو گئی۔ اس کے ڈھیلے ڈھالے سر آہستہ آہستہ تحلیل ہوتے گئے اس طرح جیسے وہ نیچے ڈوبتے ہوئے گویا ہمارے قدموں میں جذب ہو گئے ہوں۔ مہاتما بدھ کا سفید مجسمہ ہمارے سامنے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ ستار کی آواز گونجتی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی۔ اور پھر وہ اس کے جسم میں سرایت کر جاتی۔ پھر ہر شخص ستار نواز کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بوڑھے شخص نے مجسمے کی پشت کی طرف ایک دروازے کی نشاندہی کی۔ مجسمہ کا جسم اندر سے کھوکھلا تھا۔ ہم اس کے اندر جا سکتے تھے۔

دروازہ کے ساتھ ایک محراب دار راستہ بنا ہوا تھا جو چند قدم آگے ایک اور دروازے تک جاتا تھا۔ یہ محراب دار راستہ بڑی بڑی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ جس پر پلاسٹر کر دیا گیا تھا۔ اس پر سونے کی ملمع کاری کی گئی تھی۔ امتداد ازمانہ سے سونے کا پینٹ اتر چکا تھا ماسوائے ادھر ادھر چند خیف سے نشانات کے۔ چھت سے لیکر فرش تک اس کی دیواروں سے برگد کی جڑوں کی کچھے پیوست تھے۔

دروازہ زنگ آلود تھا۔ کھل نہ سکا،۔ وہ برس ہا برس سے اس حالت میں پڑا ہوا تھا۔ کوئی ایسا نشان بھی نہ ملا جس سے پتا چلتا کہ کوئی شخص اس دروازے سے حال ہی میں مجسمے کے اندر گیا ہو۔ تاہم ستار کی آواز یہیں کہیں سے آئی تھی،۔ ہم نے لوہے کے دروازے کو بری طرح پیٹ ڈالا یہاں تک کہ ہماری انگلیاں درد کرنے لگیں،

عین اسی وقت ہمارا ہندوستانی محافظ آ ٹپکا۔ وہ سخت غصے میں تھا وہ ہمیں دوبارہ کام پر واپس جانے کی ہدایت دینے لگا۔ ہم اپنے کام کے بارے میں تو بھول ہی چکے تھے۔ شام کو کافی دیر تک ہم کیمپ واپس نہیں پہنچ سکے۔

اس رات حسب معمول ہم اداس بیٹھے تھے۔ ہر طرف خاموش طاری تھی۔

''کہیں وہ میزوشیما کا بھوت تو نہیں تھا؟'' ایک شخص نے خاموشی توڑی ''احمق نہ بنو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

ہم سب پھر خاموش ہو گئے۔

کپتان ایک کونے میں تنہا بیٹھا گٹار بجاتا رہا۔ کبھی وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا اور کبھی خوشی سے سرشار سر ہلانے اور بڑبڑانے لگتا تھا۔ جی ہاں، یہ سرگم تھا۔۔۔۔ اسی اثناء میں بوڑھا ساتھی چھت سے طوطے کو پکڑ لایا۔ اس کے پروں کو لہلاتے ہوئے بوڑھا اسے دیکھنے لگا۔ ایک فوجی نے طوطے کو اپنے بچے ہوئے کھانے سے ایک نوالہ بنا کر دیا اور کہا ''اے میزوشیما!'' طوطے نے کئی بار اپنے پر پھڑ پھڑائے پھر چیخا، ''اے میزوشیما!''۔۔۔ بوڑھے ساتھی نے روٹی کے ٹکڑے اپنی ہتھیلی پر رکھے اور کہا۔ ''ہمیں واپس جانا ہے''۔۔ طوطے نے قدرے ہچکچاہٹ سے کیا۔۔

''ہمیں سب نے یکبارگی کہا۔۔۔ طوطے نے بھی وہ سبق دہرا دیا۔۔۔۔ اکٹھے جاپان کو۔''

گویا طوطے نے ابھی اپنا سبق فراموش نہیں کیا تھا۔۔۔ ہر شخص نے اسے تربیت دینے کیلئے اپنی اپنی باری مقرر کر لی تھی۔ جب طوطے کو بھی وافر مقدار میں کھانے کو ملنے لگا تو وہ جلدی

MashalBooks.org

جلدی دوسرے الفاظ بھی ادا کرنے لگا۔اس طرح اس کی دوبارہ تربیت مکمل ہوگئی۔۔ بوڑھے نے طوطے کو اپنے کندھے پر بٹھایا اور سینے پر ہاتھ باندھ لئے۔۔۔''اب ہم اس طوطے کو بھکشو کے پاس کیسے لے جاسکتے ہیں؟''بوڑھا بڑبڑانے لگا۔۔

عین اسی وقت ہمارا ایک آدمی اندر آیا اور پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر چلایا۔''ہم گھر جارہے ہیں!''مودان کیمپ کے سارے جنگی قیدی اپنے گھر جارہے ہیں پانچ روز کے اندر ہم لوگ روانہ ہوجائیں!!۔۔ یہ خبر ہی ایسی تھی کہ ہر شخص اچھلنے کودنے لگا، کچھ لوگ فرط مسرت سے نعرے لگانے لگے۔طوطا بوڑھے ساتھی کے کندھے سے اڑ کر ایک شتہتیر پر جا بیٹھا۔

''کیا تمہیں پکا یقین ہے؟''

مجھے پکا یقین ہے اب ہمیں اپنا سامان باندھ لینا چاہیے۔

اور اگر باندھنے کیلئے کوئی سامان ہی نہ ہوتو!''

MashalBooks.org

دسواں باب

اگلے دن، بوڑھی عورت صبح سویرے ہی آ گئی۔

''مبارک، مبارک!!'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے قدرے مسکرا کر کہا۔ اس خبر سے مجھے بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔ آپ لوگ اب اپنے گھر جائیں گے اور ایک خوشگوار زندگی گذاریں گی اب تک آپ لوگوں نے بڑا ہولناک وقت گذارا ہے۔''

''شکریہ'' دادی ماں، ہم آپ کی مہربانیاں کبھی نہ بھلا سکیں گے۔ گھر پہنچ کر اپنی ماں کو آپ کے بارے میں ڈھیر ساری باتیں بتائیں گے۔ ہر شخص نے اسے اپنی چیزوں میں سے ایک چیز بطور یادگار پیش کی۔ آخر میں ہم نے طوطا اس کے حوالے کیا اور اس بھکشو کو تلاش کرنے اور یہ طوطا اس کے کندھے پر بٹھانے کی درخواست کی۔ ''اس بھکشو کو بتا دیجئے کہ ہم چار روز کے اندر جاپان روانہ ہو جائیں گے۔ بس یہ آخری بات ہے۔

بوڑھی عورت پہلے تو ہچکچائی لیکن پھر اس نے حامی بھر لی۔ طوطے کو اپنے گالوں کے ساتھ لگاتے ہوئے اس نے ہم سے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ تم لوگ قطعاً فکر نہ کرو۔ میں کوشش کروں گی کہ یہ طوطا اسے مل جائے۔'' اب وہ طوطے سے مخاطب ہوئی ''ٹھیک ہے ننھے طوطے میاں، تمہیں جلد ہی بھکشو کے کندھے پر بیٹھنے اور اپنے بھائی کے ساتھ مہاتما بدھ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہوگی۔ تم ہو بڑے نصیب والے۔''

MashalBooks.org

گو وہ ہمیں خدا حافظ کہتی رہی مگر اسے رخصت کرتے ہوئے ہمیں بہت افسوس ہو رہا تھا۔ ہم بھکشو کے بارے میں بھی متفکر تھے۔ عورت نے شاید ہمارے دل کی بات ہمارے چہرے سے پڑھ لی تھی اسی لئے جاتے جاتے وہ ہمیں دلاسہ دینا نہ بھولی ''اچھا، تم لوگوں کی روانگی سے قبل میں ایک بار پھر آؤں گی'' اپنی ٹوکری سر پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ وہ پژمردہ دکھائی دے رہی تھی۔

ہم نے اثبات میں سر تو ہلا دیے تھے مگر ہمیں اس کے آنے کا یقین نہ تھا۔ ''وہ ایک اچھی اور بوڑھی عورت ضرور ہے لیکن آپ اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔'' کسی نے افسردگی سے کہا۔

دوسرے دن سے ہم اپنا زیادہ تر وقت کیمپ کے احاطے میں گا گا کر ہی گذارنے لگے۔ ہماری بے چین نگاہیں ہر وقت ہرے طوطے والے بھکشو کی تلاش میں جنگلے کی جانب لگی رہتیں۔ ہم اس اُمید میں شام کو دیر تک بلند آواز میں گاتے رہتے کہ شاید وہ ہمارے گانے کی آواز سن کر واپس آ جائے۔ ہمیں کامل یقین تھا کہ اگر وہ واقعی میزوشیما ہے تو ضرور آئے گا۔

پہلے دن اس جنگلے کے گرد کوئی نظر نہیں آیا۔ دوسرے دن کسی نے کہا'' وہ یہاں موجود ہے!'' لیکن وہ کوئی اور نوجوان بھکشو نکلا۔۔۔۔۔ اس رات صرف اسی کی ذات زیر بحث رہی۔ اگلے دن بھی۔ دوسرے دن ہمارا کوچ تھا۔ ہمارے پاس اسے تلاش کرنے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یہ ہماری مجبوری تھی کہ ہم پرانے دلائل دہرا دہرا کر ایک ہی دائرے میں گھومتے رہے۔ ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ اگر میزوشیما کل تک یہاں نہیں آتا ہے تو پھر اسے پیچھے چھوڑ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہم سوچتے تھے کہ وہ شاید ہی اب کبھی جاپان جانے کے قابل ہو سکے۔

''ہو سکتا ہے وہ بھکشو سرے سے میزوشیما نہ ہو۔'' ایک آدمی کی رائے تھی۔

''ہمیں اندازہ تو نہیں البتہ تمہیں یاد ہوگا کہ جنگ بندی کے فوراً بعد اس رات کپتان نے ہم سے کیا کہا تھا۔ یہی کہ ہمیں ایک ساتھ جینا اور مرنا ہے اور اگر ہماری جاپان واپسی ممکن ہو جاتی ہے تو ہم میں سے ہر شخص اپنے ملک کی تعمیر نو میں حصہ لے گا؟ کیا اس نے یہ باتیں نہیں کی تھیں؟ میزوشیما ہم سب لوگوں سے زیادہ اس بات سے آگاہ تھا اور اس نے برملا کہا بھی تھا کہ اگر وہ واپس نہ آیا تو سمجھ لیا جائے کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔

''جی ہاں، یہ تمام باتیں درست سہی مگر وہ ستار تو اسی کی ہونا چاہیے جس کی آواز ہم نے بدھ کے مجسمے سے آتی سنی تھی۔

''ستار تو اس لڑکے تک نے اچھی طرح بجا لیا تھا۔ وہ ہمارے اتنا نزدیک آ گیا تھا تو پھر وہ

لوگوں میں شامل کیوں نہیں ہوا؟ کیا رکاوٹ تھی۔۔۔؟۔۔۔چلو، اب اسے بھول بھی جائیں۔''

''یہ بھی پتہ چلے کہ اس کے ساتھ کیا سانحہ پیش آیا؟ اس بارے میں کوئی کیوں نہیں سوچتا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ ہم بھی تو سنیں۔''

کپتان خاموشی کے ساتھ ہماری واپسی کے متعلق کاغذات کی تکمیل کر چکا تھا۔ اس نے میزوشیما کا کوئی ذکر نہیں کیا۔۔۔ وہ اس موضوع سے جان بوجھ کر گریز کرتا رہا۔ غالباً اسے میزوشیما کی موت کا یقین ہو گیا تھا اس لئے اس نے اس کا خیال ترک کر دیا تھا یا وہ اسے فراموش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔۔۔۔۔اس کی توجہ کیسے ہٹی تھی؟۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر تھی۔ کہاں اتنی بے چینی اور کہاں یہ پراسرار خاموشی، یہ سوچتے سوچتے ہمارا ناک میں دم آ چکا تھا۔

تیسرے دن تک گاتے گاتے ہماری آوازیں بیٹھنے لگیں۔ گلے دکھنے لگے۔ لیکن ہم گانے پر مجبور تھے۔ دکھتے گلوں پر زور ڈالتے۔ موسیقی کی کوئی بھی آواز ہوتی بھلی لگتی۔ البتہ تماشائی بڑی الجھن میں مبتلا تھے۔۔۔۔۔ ہماری نظریں مسلسل جنگلے کا طواف کر رہی تھی۔ ہر شخص حیران تھا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ جو لوگ سمجھتے کہ ہم انہیں دیکھ رہے ہیں۔ وہ بے چارے ہماری نظروں سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔ بچے ہمارے ساتھ گانا بند کر دیتے؟ اور نوجوان لڑکیاں رقص کرنا بند کر دیتیں۔ اور شرما کر ہجوم میں بہت پیچھے چلی جاتیں۔ ہم کس طرح بتاتے کہ ہمیں تو کسی اور کی تلاش ہے۔۔۔۔۔۔۔غرض اس طرح ہمارا وقت گذر گیا۔

برمی بھکشو اور کشکول لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ صبح سویرے وہ اپنی خانقاہوں سے نکلتے ہیں اور ایک قطار میں شہر چلے جاتے ہیں، حسب معمولی ہر گھریلو خاتون سورج طلوع ہونے سے قبل کھانا تیار کر لیتی ہے اور ان کا انتظار کرتی ہے۔ کچھ کہے بغیر بھکشو ہر گھر کے دروازے کے سامنے رکتا ہے۔ خاتون خانہ باہر آتی ہے اور اس کا کشکول بھر دیتی ہے۔ بھکشو دن میں صرف ایک کھانا کھاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ دوپہر سے قبل۔۔ اس ضابطے پر ابھی تک سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔۔۔ اس لئے دوپہر کے بعد وہ خیرات مانگنا بند کر دیتے دوپہر کے بعد بہت سے بھکشو ہماری طرف چلے آتے اور جنگلے کے پاس کھڑے ہو کر گانا سنتے رہتے۔

ہم کھانے کے دوران بھی گانا جاری رکھتے۔ ہمارے گانے کے ساتھ ہی بھکشو جنگلے کے ساتھ آ کر کھڑے ہو جاتے۔ بھورے بالوں والا ایک بھکشو اتنا جھک جاتا کہ اس کے ہاتھ زمین

سے لگنے لگتے۔ وہ ہمارے سامنے بیٹھ کر بلند آواز میں منتر پڑھنے لگتا۔ شاید وہ سمجھتا تھا کہ ہمارے گیت اور گانے مہاتما بدھ کی تعریف میں ہوتے ہیں یا اسے ہماری آوازیں ایسی معلوم ہوتیں جیسے فرشتے بہشت میں بادلوں پر سوار تیرتے پھر رہے ہوں۔ اس کے ساتھ سیاہ جلد والے دولڑکے ہوتے تھے جو اس کے پیچھے ادب کے ساتھ پھول پکڑے کھڑے رہتے۔

اس دن ہجوم کچھ زیادہ ہی تھا۔ جنگلے سے تھوڑے فاصلے پر ایک سپیرا اپنے کوبرا سانپ لئے تماشہ دکھانے کو موجود تھا۔ کوبرا سانپ موسیقی کے دلدادہ ہوتے ہیں اور وہ بین کی آواز پر ہر قسم کے کرتب اور تماشے دکھاتے ہیں۔ کبھی دونوں کو براز مین پر حروف تہجی بناتے اور مختلف زاویوں سے اکھٹے رسی کی طرح بل کھاتے اور پھر علیحدہ ہوجاتے۔ وہ اپنے چوڑے پھن اوپر اُٹھاتے (پھن سے زہر نکال لیا جاتا ہے) پھنکاریں مارتے اور سپیرے کی بین یا گھنٹی کی آواز پر رقص کرنے لگتے۔ یہ تماشا دن بھر جاری رہتا۔

قریب ہی ایک درخت کے نیچے مندر والا لڑکا اپنا ستار بجا رہا تھا۔ کاش وہ پہلے آجاتا تو ہم اسے اچھی طرح سنتے۔ یہ دیکھ کر ہمیں سخت مایوسی ہوئی کہ وہ ٹیک لگائے کھوکھلے مجسمے کے اندر والا ستار بجانے والا نہیں تھا۔ جس کی ہمیں تلاش تھی ہجوم ہمارا کورس سن رہا تھا۔ اس لڑکے نے بھی تھوڑا سا بجایا لیکن ہم اس موسیقی کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔

تین روز کے اندر ہم وہ تمام گانے گا چکے تھے جو ہم جانتے تھے، سوائے ''ہانیونو یادو'' کے۔ ہر گانے سے مخصوص یادیں وابستہ تھیں۔ مگر اس نغمے کی بات ہی اور تھی۔ چنانچہ ہم سب نے مل کر وہ نغمہ بڑے جذباتی انداز میں گایا۔ ایک اور گانا بھی تھا جس نے ہم پر زیادہ اثر کیا تھا۔ یہ گانا ''میاکانوسارا'' (Myako no Sara) تھا۔

میاکونوسارا، ٹوکیو کے فرسٹ ہائی اسکول کا گانا تھا جو طلبہ نے اپنے ان ساتھیوں کے اعزاز میں دی جانے والی الوداعی پارٹی میں گایا تھا جو محاذ جنگ پر بھیجے جا رہے تھے۔ یکے بعد دیگرے سب چلے گئے تھے مگر اس گانے کے بول اسکول گراؤنڈ پر صبح شام گونجتے رہے۔ ہم نے یہ گانا اس اسکول کے سابق طالبعلم سے سیکھا تھا۔ ان دنوں اس کی کمپنی کا قیام اسی قصبے میں تھا۔ یہ نوجوانوں کو محاذ پر بھیجنے کے بجائے امن و آشتی کی دھن تھی، خوش کن، تیز ردھم کے ساتھ پر اثر چھبتی ہوئی دھن۔۔۔۔ میں اب بھی یہ دھن سنتا ہوں اور اپنی آنکھیں موند لیتا ہوں تو ان دنوں کی واضح یادیں ذہن کے دریچے کھول دیتی ہیں۔ میں سوچنے لگتا ہوں اگر جاپانیوں نے حب

الوطنی سے سرشار سستے اور ہلکے پھلکے گیتوں کے بجائے، میا کونو سارا، جیسے عمدہ گیت گا لئے ہوتے تو آج وہ نہایت عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ اور اتنے سارے لوگ جنگ کی بھینٹ نہ چڑھتے۔

اس دن ہم نے، میا کونو سارا، اس طرح گایا جیسے ہم اپنے ان نوجوانوں کے المیے پر گریہ وزاری کر رہے ہوں۔۔ اس سے ہمیں توانائی کا احساس پیدا ہوا۔ ایسا احساس جس سے ڈھارس ملتی ہے۔ گانا ابھی اپنے عروج پر پہنچا بھی نہ تھا کہ اچانک ہم رک گئے اور پھر ہمارے گانے کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

گانے کے دوران جب جنگلے کے ساتھ ساتھ ہجوم ایک طرف سمٹنا شروع ہوا تو ہمیں گیروے چولے میں ملبوس ایک بھکشو کی جھلک نظر آئی۔ پھر ہماری تیز چبھتی ہوئی نگاہوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ ہم سب اسی کو گور رہے تھے۔ چند نوجوان لڑکیوں کے چہرے شرم سے سرخ ہو گئے۔۔۔ اچٹتی نظروں اور شرمیلی نگاہوں کے باہم تبادلے ہوئے تو وہ بے چاری لڑکیاں جنگلے سے اور دور ہو گئیں۔ ان غریبوں کو کیا پتہ تھا کہ ہماری سرگرم نظروں کا مرکز وہ نہیں بلکہ بھکشو تھا جو اب ہجوم چھٹنے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے کندھوں پر دوہرے طوطے بیٹھے ہوئے تھے۔

بھکشو نے ایسا تاثر دیا جیسے اس نے کچھ سنا ہی ہو۔ لیکن دونوں طوطے چیخنے لگے۔ ''ہمیں واپس جانا ہے! ہمیں اکٹھے جاپان واپس جانا ہے!''

''میرے خیال میں کوئی اور آدمی ہے۔ میزوشیما نہیں۔'' کسی نے خاموشی سے کہا۔ بھکشو ابھی تک ہمیں اپنی ادھ کھلی آنکھوں سے تکے جا رہا تھا۔ ہم ہچکچاتے رہے۔ ہمارا خیال تھا اگر میزوشیما کے شبے میں ہم اس مقدس بھکشو سے ملے تو اس کی شان میں گستاخی سمجھی جائے گی اور ان لوگوں کو صدمہ پہنچے گا۔ جو یہاں ہمیں سننے کیلئے جمع ہوئے تھے۔ محافظ بھی دیکھ رہا تھا۔ اس بھکشو کے قریب جانے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے کہ دوہرا جنگلہ درمیان میں حائل تھا۔ وہ اس طرف اور ہم لوگ اس طرف علیحدہ کھڑے تھے۔

ہم نے لمحہ بھر کیلئے سوچا ایک دوسرے کے ساتھ کانا پھوسی کی پھر، ہانیو نو یادو، گانے کا فیصلہ کر لیا جو میزوشیما کا پسندیدہ نغمہ تھا۔ ہم کئی مہینوں کے بعد پہلی بار اسے گا رہے تھے۔ جوں ہی ہم نے گانا شروع کیا۔ ہمیں جھیل کے کنارے والا پرمسرت کورس یاد آ گیا۔۔۔ ستار پر دی جانیوالی وہ خطرناک سنگت یاد آ گئی جو ہم نے اسلحے سے لدی گاڑی کے اوپر دی تھی۔۔ دوستی اور رفاقت

کے وہ تمام احساسات، خوشیاں اور غم انگیز لمحے یاد آ گئے جن کے تجربات ہمیں گرم خطوں کی اس سرزمین پر ہوئے تھے۔۔۔۔وہ تمام خطرات جن کا ہم نے پامردی سے سامنا کیا تھا۔۔۔ہماری اُمیدیں اور مایوس کن واقعات۔۔۔ ہماری قسمت کی خوفناک آنکھ مچولیاں اور وہ ان گنت تبدیلیاں۔۔۔غرض سب باتیں اسی گانے سے وابستہ تھیں۔

گانوں کا سلسلہ تھوڑی دیر کیلئے رکا تو لوگوں میں ہلچل پیدا ہوگئی۔انہیں احساس ہوگیا تھا کہ کوئی بات خلاف معمول ضرور ہے۔لوگوں میں تجسس پیدا ہو رہا تھا۔ان سب کی نگاہیں بھکشو پر جم گئی تھیں۔

بھکشو خاموش کھڑا تھا۔جیسے زمین میں گڑ گیا ہو۔اس کی شکل وصورت میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ایک طوطے نے چھبتی ہوئی تیز آواز میں سرگوشی کی۔''اے میزوشیما!اے میزوشیما!! ہم سب کو اکٹھے جاپان جانا ہے!''ہم سب نے واضح طور پر یہ بات سن لی تھی لیکن بھکشو ابھی تک اپنی جگہ سے ہلا تک نہ تھا۔کیا میزوشیما بھکشو کے روپ میں ہمارے سامنے موجود تھا؟ ہم سب گڑبڑا گئے۔میزوشیما سے اس کی مماثلت پر ہم حیرت زدہ تھے۔اور بھکشو تھا کہ اپنے پراسرار چہرے کے ساتھ، ثابت قدمی سے ہم سب پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔اس کا چہرہ سورج کی گرمی سے جھلسا ہوا نہ تھا بلکہ وہ زرد رو، پھیکا پھیکا سا نظر آتا تھا۔اس کے ہونٹوں پر چھالیہ کی سرخی تھی۔ اپنے ڈھیلے ڈھالے چولے میں ملبوس وہ اتنا پرسکون دکھائی دیتا تھا کہ بدھ کا ایک مجسمہ ہی لگ رہا تھا۔اس کے چہرے کے تاثرات نرم وملائم تھے وہ دھیان اور غور وفکر کا عادی معلوم ہوتا تھا۔لگتا تھا جیسے وہ اپنے من میں ڈوبا رہتا ہو۔

''میزوشیما!''ہمارے ایک آدمی نے آواز دی۔جس میں یقین کا شائبہ کم ہی تھا۔

بھکشو ابھی تک وہیں بے حس وحرکت کھڑا تھا۔جیسے بے ہوش ہو۔تاہم وہ بڑے پروقار انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ہم گاتے رہے، اس آخری گیت میں ہماری آوازوں کا زیر وبم کچھ ایسا تھا۔جس نے بھکشو کو بے چین کر دیا۔وہ اپنے چولے کو سمیٹتا تیزی سے درخت کے نیچے کھڑے لڑکے کی جانب لپکا۔اس سے ستار لیا اور واپس پھر جنگلے کے پاس آ گیا۔اس نے ستار اپنے کندھے تک اُٹھایا اور میزوشیما کی دھن''ہانیونو یادو جوش وخروش سے بجانے لگا۔وہ ہمارے گانے میں سنگت دے رہا تھا۔

''دیکھا وہ میزوشیما ہی ہے!ہمارا بچھڑا ہوا دیرینہ ساتھی''ہم نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔اتنے

طویل عرصے تک جدا رہنے کے بعد۔۔ایک سال سے زیادہ عرصے کے بعد۔ہم لوگ اس کی سنگت میں اپنی بیٹھی ہوئی آوازوں میں دیر تک گاتے رہے۔

واقعی وہ میزوشیما ہی تھا! اپنا پیارا رفیق ۔کارپورل میزوشیما! ہماری کمپنی کیلئے باعث افتخار۔۔۔یہ وہ شخص جس نے اپنے کندھے پر ستار رکھ کر برما کے پہاڑوں اور وادیوں کی پیمائش کر ڈالی تھی۔۔۔اس ہمارا قیمتی وقت بچالیا تھا۔اور اب ہمیں مصائب کی بھٹی سے نکال کر لے جارہا تھا۔اس نے کڑے وقت میں ہمارے حوصلے بلند رکھے تھے! ہم سب نے مارے خوشی کے چھلانگیں مارنا شروع کر دیں۔

گانا ختم ہوتے ہی ہم سب دوڑ کر جنگلے تک جا پہنچے اور اس پر جھک گئے۔اور بے اختیار چلانے لگے۔

''میزوشیما، ہم کل جاپان جارہے ہیں!''

''یہ کتنی اچھی بات ہے تم آ کر اپنوں میں لوٹ آئے ہو!''

''اب دیر نہ کرو۔جلدی سے اندر آ جاؤ!''

کچھ لوگ غصے میں پکار رہے تھے۔ان کی آوزوں میں آنسو بھی شامل تھے جو ان کی آنکھوں سے جاری تھے۔

''بتاتے کیوں نہیں، اس سارے عرصے میں تم کہاں رہے۔۔۔؟ اب ذرا خود ہی وضاحت کردو۔''

لیکن میزوشیما جنگلے کی دوسری طرف ہی رہا۔اس کی نگاہیں نیچی تھیں۔وہ خاموش کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ستار اُٹھایا اور دوبارہ بجانے لگا۔

MashalBooks.org

بھگشو کا خط

MashalBooks.org

پہلا باب

میزوشیما صرف چند لمحوں کے لیے منظر عام پر آیا اور اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد اسے ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ کہتے ہیں وہ ابھی تک برما میں ہے اور بھکشو کے روپ پورے ملک کا چکر لگا رہا ہے۔

میزوشیما ہمارا مفرور فوجی تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارا مفرور فوجی رہے گا۔ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ ہمارے لیے یہ خیال تکلیف دہ تھا۔ وہ ہم سے صرف چند لمحوں کیلئے ملا اور پھر بچھڑ گیا۔ جنگ بندی کے بعد کپتان نے ہم لوگوں سے جو کچھ کہا تھا۔ میزوشیما اسے نظر انداز کر چکا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے بے وفائی کی تھی۔ اپنی کمپنی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی آبائی سرزمین سے بھی ناطہ توڑ لیا تھا۔ آج جاپان کی کیا حالت ہے، وہ مفلوک الحال اور غریب ہے۔ ایک مصیبت زدہ ملک ہے۔ جیسے غیروں سے زیادہ خود اپنوں نے، ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے، ایک دوسرے کو برا کہہ کر خراب کیا ہے۔۔۔ کوئی شخص کس طرح اپنے وطن سے پیٹھ موڑ سکتا ہے؟ اور اس وقت جب وطن کو اس کی ضرورت بھی ہوا کیا وطن کی محبت اس کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوگی؟ کیا وہ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پسند نہیں کرے گا کہ وہ ان برائیوں کا کفارہ ادا کر سکے گا جو وطن سے دور رہ کر اس سے سرزد ہو چکی تھیں۔ کیا وہ نہیں چاہے گا

کہ اپنی قوم کی بھلائی اور ملک کی تعمیر وترقی میں حصہ لے؟ ہمیں اس بات سے بہت دکھ پہنچا تھا کہ میزوشیما نے اپنے وطن واپس آ کر ان کٹھنائیوں اور مشکلات کا سامنا کرنے کے بجائے جو ملک کی تعمیر میں اسکی منتظر تھیں، ایک غیر ملک میں بھکشو بن کر تن آسانی کی زندگی کو ترجیح دی تھی۔۔ کیوں؟ شاید یہ بات ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے تھے۔

صرف بوڑھا فوجی تھا۔ جس نے انتہائی شدت سے آنسو بہائے تھے اور ابھی تک اس کے آنسو نہیں تھمے تھے۔ اس کے اعتماد کو بڑی ٹھیس پہنچی تھی۔ اسے کامل یقین ہو چکا تھا کہ میزوشیما نے اپنے ساتھیوں کی زندگیاں بچانے کیلئے جس ایثار کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنے لیے ایک شاندار اور پروقار موت کو ترجیح دی تھی اب وہی شخص ایک بھگوڑے کی سی زندگی گذارنے پر مجبور تھا!

بوڑھا فوجی ایک مخلص تھا۔ اسے اپنے فرض کا شدت سے احساس تھا۔ وہ خواب میں بھی اپنے دوستوں کے ساتھ بے وفائی کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔ جب سے کپتان مایوس اور دل شکستہ ہوا تھا یہی بوڑھا شخص تھا جس نے ہمارے حوصلے بلند رکھنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ البتہ بطور گلوکار، وہ بلاشبہ گلوکار کمپنی کا سب سے خراب گلوکار تھا۔

فوج میں بھرتی ہونے سے پہلے وہ ایک نچلے درجہ کا دفتری کارکن تھا۔ ڈسچارج ہونے کے بعد ایک بار میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اپنے کثیر العیال خاندان کے ہمراہ ایک ٹوٹے پھوٹے شکستہ حال مکان میں رہتا تھا۔ وہ اپنا بدرنگ پھیکا ملگجا سوٹ پہنے ادھر ادھر پر ہجوم سڑکوں پر یوں ہی گھوما کرتا۔ وہ پیلا پڑ چکا تھا' شاید غذا کی کمی کا شکار ہو۔ بہر حال وہ جس حال میں بھی رہا کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔

میں جو کچھ آج کل کے اخبار اور رسائل میں پڑھا کرتا ہوں محض اس کے ڈر سے اس کی مدد نہیں کر سکا تھا۔ اس لیے کہ بہت سے لوگ خواہ مخواہ دوسروں پر بے جا تہمتیں لگانے اور بہتان باندھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور یہ کہنے میں عار محسوس نہیں کرتے کہ۔'' یہ سب اس کے دوست کا کیا دھرا ہے۔'' وہ یہ بات اتنے دھڑلے سے کہتے ہیں جیسے اُنہوں نے کوئی معرکہ سر کیا ہو۔

''یہی سبب ہے کہ ملک کی ایسی گندی اور چوپٹ حالت ہے۔ لیکن بہت سے ایسے بھی لوگ موجود ہیں جن کا رویہ زمانہ جنگ میں کبھی قابل تعریف نہیں رہا۔ نہ وہ کبھی محتاط رہے۔ بلکہ اُنہوں نے تو اس وقت بھی اپنی حدود سے تجاوز کر کے زندگی گزاری تھی اور اب بھی وہ پرتعیش

زندگی گذارتے ہیں۔ تاہم بوڑھے فوجی جیسے تمام لوگ جو اگرچہ مفلوک الحال ہوں گے لیکن سادگی سے اپنا کام کیے جاتے ہیں اور روکھی سوکھی پر گذارہ کر لیتے ہیں۔ کبھی حروف شکایت زبان پر نہیں لاتے۔۔۔ بات مجھے اچھی لگی بہ نسبت اس بات کے کہ مفاد کیلئے غل غپاڑہ کیا جائے۔ بہت سی باتیں معاملات کو بگاڑ دیتی ہیں اور سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیتی ہیں۔۔۔۔ کچھ لوگ، دخل در معقولات کئے بغیر خاموشی سے اپنا کام، اپنا مشن جاری رکھتے ہیں، تو کیا وہ حقیقی معنوں میں محبّ وطن نہیں ہوتے؟ ملک کی بقا کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد نہیں ہوتی؟''

اپنی روانگی کی صبح تک ہمیں کسی گہرے جوش و جذبے کا قطعاً احساس نہیں ہوا، سارے کام معمول کے مطابق انجام پاتے رہے۔ ہمارے خیالات بھی وہی تھے جن سے ہمیں آئندہ سابقہ پڑنے والا تھا۔ ہم لوگ جاپان واپس جا رہے تھے۔ ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ اس درمیانی حصے میں ان لوگوں پر کیا بیتی؟ اب جبکہ ہم اپنے وطن واپس جا ہی رہے تھے تو بھی ہمیں کچھ پتہ نہ تھا کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا؟ سوائے اس بات کے ہم اپنی نئی زندگیوں کا آغاز کرنے والے تھے۔ اپنے سامان پر بیٹھے ہم لوگ آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

ذرا واپس پہنچنے دو، پھر میں اپنے سفید دیواروں والے مکان کے برآمدے میں، شہتوت کے درختوں کے درمیان بیٹھ کر چشمے کی ٹھنڈی ٹھنڈی لہروں اور اکثر اوقات چھت پر باداموں کے گرنے کی آوازیں سنا کروں گا۔ ریشم والے کمرے میں، ریشم کے کیڑے شہتوت کے پتوں پر سو رہے ہوں گے یا انہیں کتر رہے ہوں گے۔ پھر ان میں سے ہر ایک اپنا کوبا بن رہا ہوگا۔ میں ان کی دیکھ بھال کیلئے آخر کار اپنی خوش و خرم اور مصروف زندگی میں واپس لوٹ جاؤں گا۔۔۔۔''

خوب، تو سنو! میں ایک فیکٹری میں کام کرنے لگوں گا۔ ہر طرف موٹر گاڑیوں کا شور غل ہوگا۔ اور میں ہوں گا۔ ہر طرف دھات کے پرزے ہوں گے۔ چمکدار چھوٹے بڑے نٹ بولٹس، جن کے گرنے اور قلابازیاں کھانے کی آوازیں مجھے سننے کو ملیں گی۔ بس میرے تو مزے ہی مزے ہوں گے۔''

''اور میں ریلوے لائن کے مختلف اسٹیشنوں پر ریل گاڑیوں کو سگنل دے رہا ہوں گا۔ رات کو تو خصوصاً، تنہا یہ میری ذمہ داری ہوگی۔''

میں اپنی بائیسکل پر سیٹیاں بجاتے ہوئے جایا کروں گا۔ کبھی گنزا کے چاروں طرف واؤچر زدے رہا ہوں گا اور کبھی دفتر واپسی کے وقت، راستے میں سینما اور ہلکے پھلکے ناشتے کے لیے

رک جایا کروں گا۔''

ہم ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بوڑھی عورت آ پہنچی۔ آج وہ بالکل خاموش اور غمزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ حسب معمولی وہ اپنی اشیاء و دیگر سامان اپنے چاروں طرف پھیلا کر بیٹھ گئی۔ اس نے لونگنز Longans (ایک قسم کا پھل) اور آم ہمیں کھانے کو دیے۔ ان پھلوں کی چھبتی ہوئی تیز اور تیکھی خوشبو گرم خطوں کے سورج کی شعاعوں کی طرح تھی جو بے اختیار ہماری نتھنوں میں گھسی جا رہی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ موقع اب بار بار نہیں آئے گا ہم نے بڑھیا کی فیاضی اور سخاوت کو رد میں نہیں کیا اور اس کے پھل شکریہ کے ساتھ قبول کر لیے۔ واقعی یہ پھل ذائقے اور مٹھاس میں سب سے بڑھ کر تھے۔

پھر بوڑھی عورت نے اپنا لباس کہ تہوں سے ایک طوطا نکالا۔

''ہمارا پیغام پہنچانے کا شکریہ'' ایک فوجی نے کہا۔ ''لیکن اس نے اتنا زیادہ اچھا کام نہیں کیا جتنا اسے کرنا چاہیے تھا،''

طوطے نے اپنا سر ہلایا جو اتنا تیز چمکیلا تھا جیسے اس میں ہیرے جڑ دیئے ہوں۔ طوطے نے عجیب متجسس نگاہوں سے لمحہ بھر کیلئے دیکھا۔ پھر وہ گانے کے انداز میں جاپانی میں چیخنے لگا۔

''آہ، میں گھر واپس نہیں جا سکتا!''

''اب یہ کچھ نئی باتیں سیکھ کر آیا ہے!'' ہم سب چلائے۔

ٹھیک اسی بوقت بوڑھا فوجی آ گیا۔ طوطے کو دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ''سنو، اب یہ پرندہ ہمارے کسی کام کا نہیں رہا۔ ہمیں اس نے اپنی جان چھڑا لینی چاہیے۔'' اس نے کہا۔۔ پھر اس نے طوطے کو ٹانگوں سے پکڑ لیا۔ جو بے بسی کے عالم میں کبھی اپنی گردن سیدھی کرتا اور کبھی اپنے پروں پر ٹھونگیں مارنے لگتا۔ اور کبھی چیخنے لگتا۔

بوڑھی عورت سے طوطے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اس نے لپک کر پرندہ واپس لے لیا۔ طوطے کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے وہ بولی۔

''ادھر دیکھو، اس کا بڑا بھائی مدتوں بھکشو کے کندھے پر بیٹھا رہا۔ دیکھو اس کے پر کتنے نرم، ملائم اور چمکدار ہیں! بھکشو نے تمہارا طوطا اپنے پاس رکھ لیا ہے اور اس کے عوض اپنا یہ طوطا مجھے دے دیا ہے تا کہ تمہیں دے دوں۔

''طوطا چلانے لگا'' ''آہ' میں گھر واپس نہیں جا سکتا!'' ''اور ہاں بھکشو نے تمہارے لیے

ایک سندیسہ بھی بھیجا ہے۔ایک موٹا سا بھاری بھرکم لفافہ دیتے ہوئے اس نے مزید کہا۔''اس نے تاکید کی تھی کہ لفافہ صرف اور صرف پاکستان کے حوالے کیا جائے۔چونکہ یہ ایک بھکشو کا فرمان ہے لہٰذا یہ آخری مہربانی ہے جو میں تمہارے ساتھ کر رہی ہوں! میں اس کے حکم کی تعمیل میں اسے اپنا فرض سمجھ کر لائی ہوں۔''

ہم سب خط دیکھنے کیلئے اکٹھے ہو گئے۔اس کا بڑی لفافہ،لمبا اور مستطیل تھا۔جس کا کاغذ بھی اچھی کوالٹی کا تھا۔۔۔اس قدیم وضع کے لفافے سے کیا آپ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ بھکشو کے استعمال میں ہوگا؟ جونہی بوڑھے فوجی نے اسے ہاتھ میں لیا۔اس کے بوڑھے ہاتھ کانپنے لگے۔ اس نے تیز نظروں سے لفافے کو بھانپا۔وہ حیران اور پریشان نظر آ رہا تھا۔

ہم سب نے کپتان کو آواز دے کر بلایا۔جو ہمارے معاملات کو نمٹانے میں مصروف تھا۔ اب وہ ذہنی اور جسمانی، دونوں طرح سے مکمل صحت یاب ہو چکا تھا۔اور ہمیشہ کی طرح ہشاش وبشاش نظر آ رہا تھا۔جب بھاری بھرکم لفافہ اسے دیا گیا تو اس نے جلدی جلدی اسے چاک کرنا چاہا۔۔۔۔لیکن یکا یک کچھ سوچ کر رک گیا اور اس کہنے لگا''تہیں ، ابھی نہیں۔ہم مختصر سے وقت میں روانہ ہو رہے ہیں لہٰذا ہم اسے بعد میں پڑھ لیں گے جب ہمارے پاس زیادہ وقت ہوگا۔''

''لیکن کپتان'' بوڑھے فوجی نے اعتراض کیا''کیا آپ یہ خط ابھی نہیں کھول سکتے؟ ہوسکتا ہے میزوشیما کیلئے یہ ایک موقع ہو کہ .....''

''نہیں۔'' کپتان نے سنجیدگی سے اپنا نفی میں ہلایا۔''میزوشیما ابھی جاپان واپس نہیں جا رہا ہے۔لہٰذا ابھی اس خط کو پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''

بوڑھے فوجی نے زمین پر بیٹھ کر ایک لمبی آہ کھینچی اور خاموش ہو گیا۔کپتان نے خط اپنے سینے کی سامنے والی جیب میں رکھ لیا اور بٹن لگاتے ہوئے کہا۔''فکر کی کوئی بات نہیں۔''اس نے ڈھارس بندھائی۔''مجھے یقین ہے یہ خط تمہیں خوش کر دے گا۔''

بالآخر جب روانگی کا وقت قریب آیا تو جاپانی فوجیوں کا ایک ریلا کیمپ سے باہر آ گیا۔ہر شخص نے دروازہ کے پاس کھڑی بوڑھی عورت کو دیکھ کر ہاتھ ہلائے۔ کیمپ سے کوچ کیا تو وہ رخصت کرنے کیلئے آخر دم تک وہیں کھڑی ہمیں دیکھتی رہی۔

چند گھنٹے ہم لوگ چھوٹی سی دریائی بندرگاہ سے ایک فوجی جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔گودی

فولادی شہتیروں اور تختوں کو باہم جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ ہم ان تختوں پر چلتے ہوئے ایک سیڑھی کے ذریعہ جہاز کے ایک تنگ گودام میں داخل ہو گئے۔

جہاز کی روانگی سے کچھ پہلے جوں ہی بھاپ کی سی سی کی آواز سنائی دی، انجنوں نے چلنا اور بند ہونا شروع کر دیا۔ تہہ خانے کی دیواروں نے گرم ہو کر لرزنا، کانپنا اور تھرتھرانا شروع کر دیا تھا، تختہ جہاز پر لوگ شور مچا رہے تھے۔ جھنڈے کھلنے اور جہاز کی چرچڑاہٹ کی آوزیں، آہنی زنجریں باندھنے اور کھولنے، بھاری کریٹوں کے بھد سے نیچے گرنے کی آوازیں تو اوپر سے سنائی دے رہی تھیں۔ ہم سب اس صندوق سے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ ہمارے اردگرد جو کچھ ہو رہا تھا۔ ہم دیکھنے سے قطعی قاصر تھے البتہ آوازیں ہمیں ضرور سنائی دے رہی تھیں۔۔۔ اچانک جب ہمیں اپنی رہائی کا احساس ہوا تو ہماری آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

جہاز کے پہلو میں روشن دانوں سے ہمیں دلدلی، سست رفتار دریا کے ساتھ ساتھ، اس کے کنارے کنارے گھاس پھوس اور درختوں کی لامتناہی قطاریں دکھائی دیں۔ سڑے ہوئے پانی کی بو کے بھپکے پانی کی سطح سے اٹھ رہے تھے۔ بادبانی کشتیوں کے پھیلے ہوئے بڑے بادبان تتلی کے پروں کی مانند اوپر نیچے حرکت کر رہے تھے۔ اکثر ایک چھوٹی سی دخانی کشتی، فخریہ انداز میں پٹر پٹر کرتی ہوئی آتی چلی جاتی۔ ان کشتیوں کے مابین دھوئیں کے مرغولوں کی چادر تنی رہتی۔

لکڑی کی بنی ہوئی معمولی جھونپڑیوں پر مشتمل یہ چھوٹی سی بندرگاہ رفتہ رفتہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ لنگی باندھے ہوئے لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ آوارہ کتے سڑک پر دوڑ لگا رہے تھے۔ سڑک کے کنارے ناریل کے درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی تھی۔ مچھیرے اپنی کشتیوں میں سوار کام میں مصروف تھے۔ غرض ہر کام پرامن طور پر انجام پا رہا تھا۔ یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ کبھی وہاں کوئی جنگ بھی ہو چکی ہے۔ فاصلے پر بھورے پہاڑوں کی ایک زنجیر سی ٹیڑھے میڑھے انداز میں دور تک پھیلی چلی گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ ہمیں علم ہوتا اس رات ہمارا جہاز کھلے سمندر میں پہنچ چکا تھا۔

دوسرا باب

اب ہمارے شب و روز جہاز پر گذر رہے تھے۔ ایک دن ہم لوگ عرشے پر گئے تو دیکھا کہ جہاز ایک کشادہ اور وسیع رودبار سے گذر رہا ہے۔ جزیرہ نما ملایا بائیں جانب اور سماترا ہمارے دائیں جانب تھا۔ ہم جنوبی سمندروں کی خوبصورتی و دلکشی سے مبہوت ہو گئے تھے جیسے ہم پر جادو کر دیا گیا ہو۔ سمندر، آسمان اور جزیرے، غرض کہ سب شوخ چمکیلے پروں کے مانند چمک رہے تھے۔ اور زمردوں اور دودھیا سفید پتھروں کے جھرمٹ میں پہلو بہ پہلو بہتے دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان پر جڑے ہوئے بٹنوں کی مانند سفید بادلوں کا عکس آئینہ جیسے سمندر میں پڑ رہا تھا۔ ان کے درمیان دور تک پھیلا ہوا یہ سلسلہ ہمارے چاروں طرف پہیوں کی طرح آہستہ گردش میں تھا۔ کچھ عجیب و غریب کھاڑیاں، گاؤں اور لائٹ ہاؤس تیزی سے نظروں کے سامنے ابھرتے اور پھر دوسری جانب سمندر میں دور تک پھیلی ہوئی چٹانوں کے پیچھے روپوش ہو جاتے۔ بحری ہوائیں چلتیں تو ماحول خوشگوار ہو جاتا۔ پانی کے زوردار تھپیڑے جب جہاز سے ٹکریں مارتے تو ایسا لگتا جیسے جہاز کی نہیں بلکہ خود ہمارے دلوں کی صفائی اور دھلائی ہو رہی ہو۔ شدت کی گرمی تھی مگر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ہمیں گرمی کا ذرہ برابر احساس نہ ہونے دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم بحری سفر کے بجائے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔

MashalBooks.org

جہاز کی پشت پر اوپر نیچے اترتے چڑھتے زیرآب پہیے کے تختے کے نیچے ہم بیٹھ گئے۔ کپتان نے اپنی جیب سے بھاری بھرکم خط نکالا اور کہنے لگا۔ ''اچھا تو اب ہمیں اس خط کے مندرجات پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔'' احتیاط سے اس نے لفافہ چاک کیا جس میں سے تیس صفحوں پر مشتمل ہاتھ سے لکھی ہوئی مفصل روداد موجود تھی۔

کپتان نے چاروں طرف اپنی نظریں گھمائیں۔ ''میرا خیال ہے آپ سب لوگ یہاں موجود ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اب ہم میزوشیما کا خط پڑھیں گے۔'' سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے مودان میں مجھے خاصا نا اُمید کیا تھا۔ کیونکہ وہ ہمارے پاس نہیں آیا تھا۔ البتہ اپنے طور پر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کرلیا تھا کہ اسے زندہ ہونا چاہیے۔ لیکن بعد کو اتنی زیادہ پراسرار اور ناقابل فہم باتیں رونما ہوتی گئیں کہ میں اور زیادہ پریشانی اور متفکر رہنے لگا۔ دوستو! مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سب کو بھی فکرمند اور پریشان کئے رکھا۔ بہت عرصہ پہلے مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ اس برمی بھکشو کو اصل میزوشیما ہونا چاہیے۔ لیکن منہ سے کوئی بات نکالتے ہوئے جھجھکتا تھا تاوقتیکہ میرے پاس کافی واضح شہادتیں موجود نہوں۔ اسی اثناء میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہی میزوشیما تھا۔ حتیٰ کہ اب ہمیں اس کا خط بھی مل گیا ہے۔ ''وہ ابھی تک ہمارے پاس واپس کیوں نہیں آیا؟ اور ایک بھکشو کے بھیس میں وہ کیا کررہا ہے؟ مجھے ان سوالات کے جواب اس وقت معلوم ہوئے جب میں نے وہ صندقچہ ''مردہ گھر'' میں دیکھا۔۔۔۔ معمہ تو اس وقت حل ہو چکا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ تو دوستوں میں میزوشیما سے واقف ہو، میرے خیال میں اس خط سے پتہ چل جائے گا کہ میں نے اسے سمجھنے میں قطعی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کپتان نے خط پڑھنا شروع کردیا۔

میرے پیارے ساتھیو:

میں بتا نہیں سکتا کہ آپ لوگوں کو دیکھے مجھے کتنا عرصہ گذر گیا، میرا دل چاہتا تھا کہ اپنی کمپنی میں اس طرح واپس آجاؤں جس طرح دن کا بھولا شام کو گھر لوٹ آتا ہے۔ میری یہی خواہش تھی کہ آپ لوگوں کے ساتھ حسب سابق کام کروں۔ آپ لوگوں کے ساتھ مل کر گانے گاؤں جیسے پہلے گاتا تھا۔ اور ڈھیر ساری باتیں کرتا رہا ہوں، کاش ایسا ہوسکتا، اس اجنبی سرزمین پر ہم سب نے مشترکہ طور پر خوشیاں سمیٹی ہیں، مصائب برداشت کئے ہیں۔ میں وہ دن ہرگز فراموش نہیں کرسکوں گا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر، آپ لوگوں کو کس طرح باور کراؤں کہ اپنے ملک کو

واپسی میرے دلی خواہش تھی لیکن اپنے اہل خاندان کے ساتھ دوبارہ آملنے کی شدید تمنا کے باوجود، اپنے ایک مقدس مقصد کی خاطر وہ خواہش اب دم توڑ چکی ہے۔

کئی بار میں نے آپ لوگوں کو خفیہ طور سے دیکھا اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ جب آپ لوگ تعمیری کاموں کی غرض سے کیمپ سے گاتے ہوئے باہر نکلتے اور پھر کام ختم ہونے کے بعد دوبارہ کیمپ کے اندر جاتے۔ اس وقت میں دور ہی دور سے آپ کا نظارہ کرتا۔ پھر گھنٹوں آپ کے بارے میں سوچا کرتا اور مودان کھنچا چلا آتا۔ آپ کے جنگلے کے باہر کھڑا گھاس پھوس سے بنی ہوئی جھونپڑی کو صبح نمودار ہونے تک دیکھتا رہتا۔ وہاں آپ لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے۔ لیکن اب ڈھارس، دلجوئی جیسے الفاظ میرے لیے بے معنی ہو چکے ہیں۔

فی الحال ابھی وہ جاپان واپس جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں نے برما میں مزید قیام کا عہد کیا ہے۔ جیسا کہ آپ سب نے مجھے دیکھا ہے میں بھکشو کے لباس میں ہوتا ہوں اور اب میں بھکشو کی حیثیت سے سارے ملک کا دورہ کروں گا۔ اس کے پہاڑوں میں، اس کے دریاؤں کے کنارے کنارے میں قریہ قریہ گھوموں گا کیونکہ ابھی ایک اہم کام ہونا باقی ہے کم سے کم میرے لیے۔ جب تک میں وہ کام ختم نہیں کر لیتا۔ خواہ اس کام میں کئی سال بیت جائیں۔ جب اپنا کام ختم کرلوں گا۔ تو پھر جاپان واپس آنے کے بارے میں سوچوں گا، ہوسکتا ہے اپنی بقیہ ساری عمر یہیں گذار دوں اب جبکہ میں ایک بھکشو بن چکا ہوں مہاتما بدھ کا ایک ادنی خادم۔ جو کچھ بھی کام میں کرتا ہوں اور وہ صرف مہاتما بدھ کی رضا کیلئے کرتا ہوں اور میری ہر خواہش ہمیشہ اسی کے تابع رہے گی۔

میں ان دنوں ان جاپانی مردوں کی نگہداشت کے فرائض انجام دے رہا ہوں جو اس ملک کے طویل وعرض میں چپے چپے پر بکھرے پڑے ہیں۔ میں ان کی نشانیاں اکٹھی کرتا ہوں، ان کے لیے قبر میں کھودتا ہوں اور پھر ان کی ہڈیاں دفن کر دیتا ہوں تا کہ ان غریب الوطن لوگوں کو ابدی آرام گاہ میسر آجائے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ ذرا غور فرمایئے میرے لاکھوں ہم وطنوں کو دیار غیر میں خدمات انجام دینے کیلئے فوج میں بھرتی کیا گیا تھا۔ کیا صرف شکست کھانے کیلئے؟ یا پسپائی اختیار کرنے اور بے موت مارے جانے کے لیے۔۔۔۔ اور پھر ان کی باقیات کو پیچھے چھوڑ دیا گیا۔۔۔۔۔۔ یہ ایک المیہ نہیں تو کیا ہے؟ وہ منظر کتنا کریہہ، کتنا ڈراؤنا اور ہیبت ناک ہے۔۔۔۔ جو میں نے دیکھا تھا۔ وہ بے گوروکفن

لاشے مقام عبرت بنے صرف ایک سوال پوچھ رہے تھے۔ آخر ہمارا قصور کیا ہے؟ کیوں اس طرح ہمیں دیار غیر میں چھوڑ دیا گیا ہے؟ میں نے ان سے صرف نظر کرنا چاہا مگر نہ کر سکا۔ گزرنا چاہا مگر میرے پاؤں جیسے زمین نے پکڑ لیے ہوں۔ وہ مجھ سے جواب مانگ رہے تھے۔ میں نے یہ طے کرلیا کہ خواہ کچھ بھی ہو مجھے ان کی فراموش شدہ باقیات کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ انہیں ٹھکانے لگانا ہے جب تک میں انہیں ابدی آرام گاہ میں نہیں پہنچا دیتا کوئی مجھے یہ کام چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ کوئی نہیں۔

جیسا کہ کپتان نے ایک بار کہا تھا ''میرا خیال ہے کہ ہم سب کو جاپان واپس جا کر اپنے ملک اور قوم کی تعمیر و ترقی میں بھرپور حصہ لینا چاہیے۔'' تو اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میری بھی یہی دلی خواہش ہے۔ لیکن ایک دفعہ میں جاپانی فوجیوں کی جن باقیات کو پیچھے چوڑ آیا تھا وہ مجھے آوازیں دیں رہے تھے۔ ان کے بے گور و کفن لاشوں کو ابدی سکون کی اشد ضرورت تھی۔ وہ نہ جانے کب سے یوں ہی ان بیابانوں میں بے یار و مددگار اور بے آسرا پڑے تھے۔ ان کے جسد خاکی کو نہ کوئی اُٹھانے والا تھا۔ اور نہ دیکھنے والا۔۔۔۔ کیا کوئی اپنے مردوں کو اس طرح مکھیوں کے بھنکنے کیلئے چھوڑ دیا کرتا ہے؟ وہ مجھ سے سوال کر رہے تھے۔ وہ سب شریف النفس انسان تھے۔ ان کا مجھ سے صرف ایک ہی تو مطالبہ تھا۔ وہ ابدی سکون کے متلاشی تھے۔ اُنہوں نے میرے ضمیر کو بری طرح جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ ان کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ میں ان کی آواز پر صرف سر تسلیم خم کر سکتا تھا۔

آج کے الوداعی گانے کے بعد جس کی سنگت میں نے اپنے ستار پر دی تھی۔۔ میرا اٹل فیصلہ آپ پہلے ہی سن چکے ہیں۔ اب مزید سن لیجئے، میں نے بلا کسی جبر و اکراہ یہاں قیام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ برائے کرم زندہ دلی اور جوش و ولولہ کے ساتھ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ اور میری خاطر سخت محنت کیجئے جب میں نے پہاڑی گاؤں میں آپ کا ساتھ چھوڑا تھا۔ اس وقت سے اب تک کے واقعات کا آپ کو علم نہیں میں ان تمام واقعات کی تفصیل بتاؤں گا جو میرے ساتھ پیش آچکے ہیں۔

جب کپتان یہاں تک پڑھ چکا تو بوڑھے فوجی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور عبادت کیلئے اپنے ہاتھ جوڑ لیے۔ اس کی تقلید کچھ اور لوگوں نے بھی کی۔

طوطا اپنے اڈے پر ڈوری سے بندھا بیٹھا تھا۔۔۔۔ اچانک وہ تیز اور اونچی آواز میں

چلانے لگا'' آہ، اب میں گھر واپس نہیں جاسکتا!'' یہ غم آلود الفاظ ۔۔۔۔۔۔آہ کے پیچھے پیچھے رینگتے چلے گئے۔

ہم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ خود اپنا سر نیچا کئے ہمیں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔۔ جونہی کپتان نے دوبارہ خط پڑھنا شروع کیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ بلاشبہ اس نے صحیح انداز لگایا تھا۔

''میں اور برطانوی فوجی اپنے گائیڈ کی ہمراہی میں جلدی جلدی راستہ طے کرنے لگے لیکن مسافت طویل تھی لہٰذا سہ پہر، تقریباً چار بجے ہم اسی سنگلاخ پہاڑ کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ وہاں سے ہمیں زیادہ تر گہرے کہر میں اپنا سفر طے کرنا پڑا۔ پہلے سے میرے ذہن میں کوئی بات واضح نہ تھی۔ واقعات کی ترتیب میں تھوڑا سا الٹ پھیر تو ممکن ہے لیکن میری یادداشت غلط نہیں۔ مجھے تو جیسے یہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔

ہم جنگل سے گذر رہے تھے کہ ہم نے توپوں کی آوازیں سنیں۔ توپیں گرج رہی تھیں۔ اور دھڑا دھڑ فائر کیے جا رہے تھے۔ اور ان میں مزید شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ جنگل کافی گھنا تھا۔ سورج کی روشنی بمشکل اندر جاسکتی تھی۔ کبھی کبھی کوندا سا لپکتا روشنی فلیش لائٹ کی طرح درختوں میں چھن چھن کر اندر آجاتی۔ پھر ہم نے گنتی گننا شروع کردی۔'' ..... تین، چار، پانچ۔'' ابھی گنتی یہیں تک پہنچی تھی کہ گرجدار آواز اور کڑک کے ساتھ دھماکے نے ہمیں دہلا کر رکھ دیا درخت بھی بری طرح ہل گئے۔ تمام پرندے اڑ چکے تھے۔ اب درختوں پر کسی قسم کی چہچہاہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔ میں نے دو دو فٹ لمبی چھپکلیوں کو دیکھا جن کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے وہ دونوں مر چکی تھیں۔

آخر ہم جنگل سے نکل کر روشنی میں آگئے۔ ہمارے سامنے بالکل سیدھ میں بھورے رنگ کی مستطیل چوٹی سر اُٹھائے کھڑی تھی۔ یہ بہت بڑی چٹان تھی۔ چٹیل اور بے حسن۔ اس کے سامنے کے حصے میں شہد کی مکھیوں کے چھتے جیسے بے شمار سوراخ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کان سے پتھر نکالے گئے ہوں یا پھر چٹانوں میں مسکن بنالئے گئے ہوں۔ جو سارے کے سارے اندورنی طور پر سرنگوں کے جال کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ چھوٹی توپوں کا دھواں ان سوراخوں کے ذریعے غاروں سے ہوتا ہوا۔ اور پر سنگلاخ چٹان تک رینگ جاتا اور پھر خاموشی کے ساتھ، سورج کی روشنی میں دہانوں کے ذریعے باہر نکل جاتا تھا۔ کبھی کبھی کسی

رائفل کے چلنے کی آواز سنائی دے جاتی۔یوں اس غیر آباد، اجاڑ اور بے آب وگیاہ چوٹی پر زندگی کے آثار نمایاں رہتے۔

حملہ آور برطانوی فوج کا ہیڈ کوارٹر جنگل میں واقع تھا۔ میں نے اپنے ہمراہ آنے والے فوجی کا ممنون ہوں جس کی وجہ سے کمانڈنگ آفیسر سے میری فوری ملاقات ہوگئی۔ وہ درمیانی عمر کا شخص تھا اسکے بھورے بال تھے اور اسے فوری فیصلے کرنے میں کمال حاصل تھا۔ میرا مدعا سننے کے بعد ایک لمحے کیلئے اس کی نظریں مجھ پر مرکوز رہیں اور پھر اس نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

''ٹھیک ہے''''اس نے کہا'' دیکھتا ہوں تم کس طرح ان لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پر رضا مند کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنی سی کوشش کرنے کیلئے کل تیس منٹ دیتا ہوں۔ ایک سیکنڈ زیادہ نہیں۔'' جوں ہی میں اسے سیلوٹ کر کے واپس جانے کیلئے مڑا، کمانڈنگ آفیسر نے مجھے ''گڈ لک!'' کہا۔

''ٹھیک ہے''''اس نے کہا'' دیکھتا ہوں تم کس طرح ان لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پر رضا مند کرتے ہو، میں تمہیں اپنی سی کوشش کرنے کیلئے کل تیس منٹ دیتا ہوں ۔ایک سیکنڈ زیادہ نہیں۔''جوں ہی میں اسے سیلیوٹ کر کے واپس جانے کیلئے مڑا کمانڈنگ آفیسر نے مجھے'' گڈ لک!'' کہا۔

بظاہر تیس منٹ بہت کم تھے۔ وقت کی اہمیت کے پیش نظر مجھے انتہائی سرعت سے یہ کام انجام دینا تھا۔ چنانچہ میں نے درمیانی خندقوں میں مستطیل چوٹی کی سمت بھاگنا شروع کر دیا۔ میں جلد از جلد ان لوگوں کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ پہلے یہ علاقہ جاپانیوں کی تحویل میں تھا۔ یہاں وہ اپنی پوزیشن لیے ہوئے تھے۔لیکن اب جاپانی سمٹتے سمٹتے پیچھے چلے گئے تھے، یہ علاقہ ،نومینز لینڈ، یعنی غیر جانبدار کہلاتا تھا۔ اس کے طرفین میں گھٹیا چیزیں، بیکار فالتو اشیاء کاٹھ کباڑ اور درختوں کی چھوٹی چھوٹی پچریں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔فوجیوں کی لاشیں وہیں پڑی تھیں جہاں وہ گرے تھے۔ٹوٹی پھوٹی بیکار توپیں تھیں، ادھر ادھر ہینڈلز، دندانے دار ہے اور ہر قسم کی دھاتوں کے ٹکڑے اور چٹانوں سے ٹوٹے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی بھرمار تھی۔ جنگ کی شدت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہاں زمین تک جلی ہوئی تھی۔ ہر طرف ناقابل یقین قتل وغارت اور عالمگیر قسم کی بربادی کا دہشت ناک منظر تھا۔

ابھی میں آخری خندق عبور کر کے ایک چٹانی پرت کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ

MashalBooks.org

کسی نے چوٹی سے ایک برسٹ مارا۔ کیچڑ کے چھینٹوں کی طرح گولیاں میرے پاؤں کے آس پاس پڑتی رہیں۔ مجھے اپنے عقب میں بانسوں کے ایک جھنڈ میں سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ پھر جیسے ہوا کے ایک زوردار جھکڑ نے بچے کھچے درختوں کو ہلاک کر رکھ دیا۔ لگتا تھا جیسے کسی بڑی غیر مرئی درانتی نے انہیں گرادیا ہو۔ مجھے خود اپنے پاؤں ڈگماتے محسوس ہوئے۔ میں بھی اوندھا گر گیا۔ یہ سب بات گو بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہیں لیکن مجھے ہر بات یاد ہے۔ میں نے صرف اتنا دیکھا تھا کہ گولیاں چٹان پر لگی تھیں بانس آہستہ آہستہ ڈگمانے لگے۔ چوٹی کی سمت دیکھتے ہوئے نہایت بلند آواز میں چیخا۔ لیکن مجھے اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیا چند لمحوں کے بعد میں نے کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ ہوا میں لہرایا، لیکن رائفل کے دوسرے برسٹ نے میرا استقبال کیا۔ مشین گن کی گولیوں نے میرے قریب وجوار کی زمین کے بخیے ادھیڑ دیے تھے۔ ہر پرت کے اکھڑنے کے بعد مٹی ہوا میں اڑنے لگتی۔ اور تو اور چٹانوں کے پرت کے اتر گئے تھے۔ گھاس بری طرح جل چکی تھی میں ایک بار پھر اوندھا لیٹ گیا۔

لیکن میرے پاس تو وقت بہت کم باقی رہ گیا تھا۔ اس لیے لیٹے رہنا فضول سی بات تھی۔ چنانچہ میں اس چٹان سے نیچے کود گیا اور سامنے سیدھ میں بے تحاشا دوڑ لگادی۔ مزید کوئی گولی نہ چلنا تعجب خیز تھا! شاید اُنہوں نے جاپانی کو شناخت کرلیا ہوگا، جبھی تو کوئی گولی نہ چلی۔ میں سنگلاخ چٹان پر ہاتھ رکھ کر گھٹنوں کے بل چڑھ گیا۔ وہاں کچھ جاپانی فوجی غار سے باہر آ گئے تھے۔ مجمع دیکھ کر اُنہوں نے جلدی سے مجھے غار کے اندر گھسیٹ لیا۔

''تو تم نے یہ کام کر دکھایا۔ کیسے کیا!'' وہ مجھے دیکھ کر ایک دم خوش ہو گئے تھے۔

''بتاؤ نا! یہ کارنامہ کس طرح انجام دیا؟''

تمہارا سامان کدھر ہے؟''

''واقعی، تم بڑے مضبوط اعصاب کے مالک ہو!''

کسی نے ٹن کے ڈھکنے کو لبوں تک بھر دیا تھا۔ یہ پانی جیسی شئے تھی۔ ''لو اسے پیو ہمارا بنایا ہوا مشروب ہے'' میں آن واحد میں اسے غٹا غٹ پی گیا۔

اُنہوں نے صرف میری خاطر ایسا کیا تھا، ورنہ اس مشروب کی تو اُنہوں نے راشن بندی کر رکھی تھی۔

''چلو ہمارے ساتھ چلو، ہم لڑنے کے لیے باہر جا رہے ہیں'' ان میں سے ایک فوجی نے

کہا۔'' کیا تمہارے ساتھ شامل ہو گے؟ تمہارے پاس کوئی بندوق بھی نہیں ہے؟ کوئی بات نہیں تم یہ لے لو، اس نے میرے ہاتھوں میں ایک رائفل تھما دی۔ایک شخص جو چہرے مہرے سے کپتان معلوم ہوتا تھا۔سرنگ کے ذریعہ اندر آ گیا۔غار میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پہلے تو مجھے کچھ سجھائی نہ دیا تھا پھر رفتہ رفتہ مجھے دکھائی دینے لگا۔سرنگ کے دہانے پر بہت سے لوگ ایک دوسرے سے کندھا جوڑے مجھے گھورے جا رہے تھے۔

''تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی!'' اُنہوں نے کہا۔وہ سب مسکرا رہے تھے۔'' تمہارے ہتھیار کہاں ہیں، کیا ہتھیار کام کر رہے ہیں؟'' وہ سب لوگ لباس سے بے نیاز ایکشن کیلئے تیار کھڑے تھے۔کمر سے اوپر وہ برہنہ تھے، ان کے دبلے پتلے جسم بندوقوں کے دھویں سے سیاہ ہو چکے تھے اور آنکھیں لال تھیں۔

کپتان چوڑے کندھوں والا گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔جس کا گول چمکتا چہرہ، اور آنکھیں اور مونچھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔وہ انتہائی سخت گیر آدمی دکھائی دیتا تھا۔میں فوراً تاڑ گیا کہ لوگ اس پر جان چھڑکتے ہیں۔اس موقع پر اس نے صرف باہر کے آدمی کو یہ دکھانے کیلئے کہ اس کی کمپنی تا مرگ لڑنے کا تہہ کئے ہوئے ہے۔میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا۔'' ہمارے حوصلے بلند ہیں۔ہم اپنے آخری آدمی تک لڑنے کو تیار ہیں ہم دُشمن پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں..... اور ہاں، کیا تم میرے لیے کوئی پیغام لائے ہو؟''

میں ہمہ تن گوش کھڑا تھا پھر میں نے جلدی جلدی اسے اپنے مشن کے بارے میں بتایا۔اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ دوسرے جاپانی فوجی دستوں کا جو حشر ہوا ہے اور جو فضول جانیں ضائع ہوئی ہیں اس کے پیش نظر ہتھیار ڈالنا ہی بہتر ہوگا۔۔۔شاید یہ موقع پھر کبھی نہ ملے۔۔۔۔ہتھیار ڈالنے والی بات پر وہ غضبناک ہو گیا۔۔۔۔''بس، بس اتنا ہی کافی ہے'' وہ گرجا۔اس کا دماغ کھولنے لگا تھا۔اور وہ غصہ کے مارے بار بار اپنا جھٹک رہا تھا۔۔۔غصہ میں اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی!'' ہوں، ہتھیار ڈال دو'' ! اور پھٹ پڑا'' تمہیں۔ہتھیار ڈال دو کہنے کی جرات کیسے ہوئی! اتنی نفرت انگیز اور توہین آمیز بات ہے یہ کہ ہم اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔اگر ہتھیار ڈال دیں۔تو کیا یہ مرنے والوں کی توہین نہیں ہوگی؟ ہماری کمپنی تم لوگوں کی طرح بزدل نہیں ہے۔جب تک ہمارا مکمل صفایا نہ کر دیا جائے ہم آخری آدمی تک لڑتے رہیں گے!''

MashalBooks.org

صفایا ہو بھی گیا تو یہ کون سی اچھائی ہوگی۔ مرنے والوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ جبکہ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں زندہ بچ جانے والوں کے لیے بے شمار فائدے ہیں'' میں نے کہا۔'' ہمیں زندہ رہنا ہے۔ زندہ رہ ہم اپنے ملک وقوم کی تعمیر نو میں حصہ لے سکتے ہیں۔

''اپنے ملک کی خاطر'' منہ، ایک فوجی نے حقارت سے کہا۔ اور اپنے کپتان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔''ہتھیار ڈال دینے میں حب الوطنی کی کون سی بات ہے؟''

''ہم اپنی کمپنی میں ایسے بزدل شخص کو ہرگز گوارہ نہیں کر سکتے۔ نہیں چاہیے ایسا آدمی!''

دوسرا فوجی بولا ۔ اس نے بھی اپنے کپتان کی طرف دیکھا جیسے داد طلب کر رہا ہو۔۔۔ کپتان نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

''ہمارے ہتھیار نہ ڈالنے سے جاپان کو کس طرح نقصان پہنچے گا۔''

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ سب لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ غار کے درمیان ایک چھوٹے سے کھلے ہوئے پیپے سے جاپانی چاول کی شراب نکال نکال کر پیتے رہے۔

میں نے یہ باتیں سنیں تو محسوس ہوا کہ ان غضبناک لوگوں کو کوئی عجیب وغریب قوت کنٹرول کر رہی ہے۔ غالباً ایک گروہ کی مجموعی رائے کی نسبت ان کی انفرادی سوچ کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں رہی۔ وہ سب اجتماعی حیثیت سے سوچ رہے ہیں۔ ان کیلئے ایک فرد کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ جرات وہمت کی چھوٹی نمائش کر کے ان کے جوش وجذبات نے ابھار آ گیا ہے۔۔ اس سے نیچے آنا ان کے لئے ناممکن ہے نہ وہ انفرادی سوچ رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کا رویہ مختلف ہے۔۔۔۔۔ وہ سب اجتماعی طور سے ہم زبان اور ہم آواز ہیں۔۔ یہی فکر مجھے کھائے جا رہی تھی۔ کہ ان لوگوں کی سرپھری، سرکش اور منہ زور باتوں پر کس طرح قابو پایا جائے۔ وہ سب تا دم مرگ لڑنے کو تیار تھے۔۔۔۔ تاہم کچھ دوسرے لوگ بھی تھے جنہیں شبہ تھا کہ کوئی قدم اُٹھانے کا یہ مناسب وقت نہیں ہے۔۔۔ زندگی افضل ہے اسے آنکھیں بند کر کے موت کے منہ میں دھکیل دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔۔۔ ایسی سوچ کے حامل لوگ اکثریت کے مقابلے میں کمزور تھے۔۔۔ یہ لوگ حقیقی صورتحال سے بے خبر تھے۔ اسے جانچنے اور پرکھنے کا ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا، نہ ہی اپنے خیالات کا اظہار کرنے کیلئے ان کے پاس کوئی ٹھوس بنیاد تھی۔۔۔۔ میرے لئے ابھی مزید سمجھانا محض وقت ضائع کرنا تھا۔

MashalBooks.org

''باہر نکل جاؤ! تم ہرگز جاپانی نہیں ہو، ایک گندے، بزدل انسان ہو۔ باہر نکل جاؤ! چلے جاؤ!''

نہیں میں یہیں رہوں گا جب تک تم لوگ ہوش میں نہیں آجاتے، میں یہی رہوں گا۔''

''اگر تم فوراً یہاں سے نہیں گئے تو پھر مرنے کو تیار ہو جاؤ۔''

''میں اپنی زندگی کو فضول باتوں میں ضائع کرنا نہیں چاہتا۔''

''اچھا تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم فضول باتوں کیلئے لڑ رہے ہیں۔ جواز ہے تمہارے پاس اس کا؟۔''

''غدار''

ایک فوجی مجھے مارنے کو آگے بڑھا۔ میں نے غوطا دیا۔ اس کی مٹھی میرے ستار کو جا لگی جو میرے کندھے پر ایک ڈوری سے لٹکا ہوا تھا۔

یہ کیا چیز ہے؟'' وہ چلایا''تم ہمیں کیوں بے وقوف بنا رہے ہو؟''

میں اسے خفیہ پیغام رسانی کیلئے استعمال کیا کرتا ہوں!''میں نے چلا کر جواب دیا۔ وقت تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کپتان سے بات کی''جناب آپ ان لوگوں کی زندگیوں سے کیوں کھیل رہے ہیں۔ ان کی حفاظت کرنا آپ کا فرض ہے۔ اگر یہ لوگ بلاوجہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں تو اس کے ذمہ دار آپ ہیں؟ کیا آپ خود کو اپنے ملک اور ان کے اہل خاندان کی نظر میں حق بجانب ثابت کر سکتے ہیں؟''۔۔۔ کپتان جیسے سکتے میں آ گیا۔ جیسے کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔ ایک لمحے کیلئے اس نے سوچا۔ پھر پلٹ کر اس نے کہا''ٹھیک ہے، ریکارڈ درست رکھنے کیلئے ہم دیکھ لیتے ہیں کہ ہر شخص انفرادی طور پر کس طرح سوچتا ہے۔''

اس کی زیر کمان سارے لوگ عقب میں واقع ایک دوسرے بڑے غار میں چلے گئے اور میرے پاس ایک محافظ چھوڑ گئے۔۔۔۔۔

میں نے گھڑی دیکھی، صرف دس منٹ باقی تھے، میں مضطرب، پریشان اور بے چین ہو گیا۔ دوسرے غار سے زور زور سے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔۔۔۔ میں نے چلا کر کہا۔

''براہ کرم جو بھی فیصلہ ہو صرف پانچ منٹ کے اندر کر لیجئے! محافظ نے سرگوشی میں کہا۔''یہ

کیسی باتیں ہورہی ہیں؟'' وہ بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ پھر وہ بڑبڑانے لگا۔''اس غار میں بے شمار لوگ زخمی پڑے ہیں۔ اور سب لوگ صرف ایک بات کہتے ہیں کہ وہ آخری دم تک لڑیں گے اور لڑتے لڑتے ایک ساتھ ختم ہوجائیں گے۔۔۔۔۔''

کپتان اور اس کے آدمیوں میں جو سوال جواب ہورہے تھے میں بخوبی سن سکتا تھا۔ چند لمحے گذرے ہوں گے کہ وہ لوگ واپس آ گئے لیکن بڑے مشتعل تھے۔ ان کے حوصلے اور جزبے، جو انہیں اس مقام تک لے آئے تھے۔ ابھی برقرار تھے۔ میرے پاس وقت بہت ہی کم تھا مجھے اگر ایک گھنٹہ بھی بات چیت کے لیے مل جاتا تو شاید سب کے تو نہیں، چند ایک کے ذہن ضرور تبدیل کرسکتا تھا۔ لیکن اس قسم کے شدید ذہنی دباؤ اور اعصابی کھینچاؤ میں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ کپتان نے اپنی نظریں مجھ پر جماتے ہوئے بلند آواز میں اعلان کیا۔''یہاں موجود ہم سب لوگ آخری دم تک لڑنے کا تہیہ کرچکے ہیں۔ ہماری جانب سے بس اتنا اعلان ہی کافی ہے''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ظاہر ہے یہ اعلان صرف میرے لیے تھا۔ اب میں کیا کہتا! خاموش کھڑا رہ گیا۔ وہ لوگ اپنا فیصلہ سنا چکے تھے۔ چند منٹ کے اندر مجھے اپنا فیصلہ کرنا ہے ورنہ سیز فائر کا وقت ختم ہوتے ہی توپیں پھر گرجنے لگیں گی پھر کیا ہوگا؟ یہ سوچتے ہی میری رگوں میں خون جمنے لگا۔ دماغ سن ہونے لگا۔ ادھر کچھ فوجی پرجوش نعرے لگا رہے تھے۔''بان زئی!''میں بدحواسی کے عالم میں تیزی سے غار کے دہانے کی سمت لپکا۔ میرے لیے یہ ممکن تھا کہ میں برطانوی کمانڈر سے مزید کچھ مہلت لیتا۔ جیسے ہی میں کھلی جگہ میں آیا۔ تو عقب سے لعن طعن اور آوازے کسنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ ساری صلواتیں مجھے سنائی جارہی تھیں۔

''کمزور! بزدل'' جاؤ اور اپنی کھال کی حفاظت کرو!''اس لعن طعن کے باوجود ان کی آوازوں میں ایک بے چارگی نمایاں تھی۔ ان لوگوں کی حالت قابل رحم تھی ان کی آوازیں تلخ، تیز وتند، جلن وحسد اور تباہی وبربادی کا مظہر تھیں۔ وہ سب ایک ایسے شخص کے خلاف اپنی بھڑاس نکال رہے تھے جو ان کی زندگی کیلئے کوشاں تھا۔

میں غصے میں کھولنے لگا۔ پھر پوری قوت سے چلایا۔''نہیں، میں بزدل نہیں ہوں!''

''پھر تم نے ہتھیار کیوں ڈال دیئے؟''''کیا زندگی تمہیں اتنی پیاری ہے؟''

پیچھے مڑکر دیکھا تو وہ سب اپنے ہتھیاروں سے لیس کھڑے تھے۔ ان کے بازوں ایک دوسرے کے کندھوں پر تھے۔

MashalBooks.org

''سنو!'' میں نے چیخ کر کہا، تین منٹ کے بعد برطانوی فوجیں تمہارے اوپر حملہ کر دیں گی۔ میں جا رہا ہوں، اور شاید مرنے والا شخص بھی میں ہی ہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد تم لوگ ہتھیار ڈال دینا۔ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ میں کتنا بزدل تھا۔''

میں جہاں کھڑا تھا وہیں چٹان کے نیچے تو منیز لینڈ میں جلے ہوئے درختوں کے ٹنڈ منڈ ٹھنٹھ بکھرے پڑے تھے۔ میں نے ایک ایسے ہی ٹھنٹھ پر چھلانگ لگا دی۔ اور پھر ٹھنٹھ پر اپنا قدم جماتے ہوئے۔ میں نے ستار گھٹنے پر رکھا اور بجانے لگا۔

ٹھیک ایک منٹ بعد، برطانوی فوجوں نے فائر کھول دیا۔ جاپانیوں نے بھی اسی تندہی سے جواب دیا۔ دھویں اور بارود کی بو میرے نتھنوں میں گھسنے لگی۔ پھر یہ دھواں اتنا شدید ہو گیا کہ اس نے گہرے کہر کی طرح چاروں طرف سے مجھے ڈھانپ لیا۔ اس دھوئیں میں میرا دم گھٹنے لگا تھا۔ جلے ہوئے بارود کی تیز بو نے میرا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ میرا ذہن و دماغ ایک بار پھر سن ہونے لگا۔ میں نے نہ صرف خود کو بلکہ ستار کو بھی قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔

طرفین سے آنے والی گولیاں میرے کانوں کے قریب سے ایک زناٹے دار آواز۔ مجھے اپنے اردگرد چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لینے اور جما دینے والی آوازیں تواتر کے ساتھ مجھے سنائی دے رہی تھیں۔ چٹان کا سامنے والا سنگلاخ حصہ گولہ باری سے ٹوٹ ٹوٹ ادھر ادھر گرنے لگا تھا۔ ادھر برطانوی پوزیشنیں بھی مخالف کی انتہائی گولہ باری کی زد میں آ چکی تھیں۔

شروع میں تو خود مجھے اپنے ستار کی آواز مشکل سے سنائی دی۔ رفتہ رفتہ جب اس کی آواز بلند ہوتی گئی تو مجھے محسوس ہوا جیسے میرا جسم اور میری روح خلا میں تیر رہی ہوں۔ یہ میرا ستار ہی تو تھا جو مسلسل بجایا جا رہا تھا۔ اس کی آواز پہلے کبھی اتنی اونچی اور صاف سنائی نہیں دی تھی۔ ہوا، مرغولے کھاتے ہوئے بندوق کے دھوئیں کی طرح بھاری تھی، '' گاؤ، گاؤ!'' میں ستار پر ضربیں لگاتے ہوئے کہتا رہا۔ گاؤ! جب تک تمہارے تار ٹوٹ نہیں جاتے! میں تو مردوں کی طرح ہوئے کہتا رہا۔ گاؤ! جب تک تمہارے تار ٹوٹ نہیں جاتے! تو مردوں کی طرح ہوں، میرا کیا؟ البتہ تمہارے گاتے رہنے سے لوگوں کی قیمتی زندگیاں بچالی جائیں گی۔۔۔۔۔ میرے اچھے ستارا'' اچانک ایک گولی ستار کو لگی۔ اس کے پھول اور سرخ پر سے اس کی زیبائش کی گئی تھی۔ ادھر ادھر بکھر گئے میرا استاد میرا غمگسار میرا رفیق تباہ ہو چکا تھا۔

''ستارہی تباہ نہیں ہوا بلکہ میں بھی ختم ہو چکا تھا۔۔۔۔میں چیخنے لگا۔

میرا مشن بری طرح ناکام رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

میں حیران و پریشان دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ تباہ شدہ ستارا ایک مردہ لاش کی طرح میرے ہاتھوں میں جھول رہا تھا۔ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری ران پر کسی نے ڈنڈے کا اور کیا ہو۔ میں نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن توازن قائم نہ رکھ سکا اور لڑکھڑا گیا۔ گرتے ہی مجھے اپنا پاؤں گیلا گیلا محسوس ہوا۔ میں نہ دیکھا ان سے خون بہہ رہا تھا۔

میں زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور آہستہ آہستہ اپنے ہوش و حواس کھوتا جا رہا تھا۔۔۔۔۔۔فضاء میں اب نہ توپوں کی گھن گرج تھی اور نہ گولیوں کی آوازیں۔ بلکہ اب پرسکون ماحول میں خاموشی، اور سکوت رچ بس گیا تھا۔۔۔خود مجھے کسی قسم کے ڈر اور خوف کا احساس نہ تھا۔ ایک دھندلا دھندلا سا منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ جیسے لالٹین کی ملگجی روشنی پھیل رہی ہو۔۔۔۔ پھر میں نے جو کچھ دیکھا اس پر مجھے یقین نہ آیا۔ ایک سفید جھنڈا غار کے دہانے کے باہر لٹکا ہوا تھا۔۔۔۔ جاپانی فوجی اپنے ہاتھ اوپر اُٹھائے باہر آ رہے تھے۔۔۔ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ اور برطانوی فوجوں نے جنگ بند کر دی تھی۔

نیم خوابیدہ حالت میں، میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شام کو شدید نیلے آسمان پر روئیں دار، روئی کے گالوں جیسے نرم اور سفید بادل تیرتے پھر رہے تھے۔ آسمان اور اس کے اردگرد پہاڑ خوفناک رفتار سے مجھے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔۔۔۔۔

تھوڑی دیر بعد میں نے لوگوں کو سنگلاخ چٹانوں کے غاروں سے اپنا سامان باہر لے جاتے دیکھا۔ میرے ذہن سے جیسے دھند چھٹنے لگی تھی۔۔۔۔۔ مجھے پیاس لگنے لگی تھی۔ اتنی شدید کہ میرے حلق میں جیسے آگ لگی ہوئی ہو۔۔۔۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نشیب میں کہیں پانی گرنے کی آواز سنی تو بغیر سمجھے اس آواز کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔۔۔۔ابھی تک مجھے اپنے زخم کے درد کا احساس نہیں ہوا تھا۔ لیکن میرا سارا جسم اکڑ سا گیا تھا جیسے اسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہو۔ میں رینگتا رہا یہاں تک کہ میں پہاڑ کے دامن میں ایک گھسے ہوئے گول مٹول بڑے پتھر کے پاس پہنچ گیا۔ آبشار کی آواز کانوں میں آ رہی تھی۔ جب میں تھوڑا اور آگے کی طرف جھکا تو وہ پتھر ایک کھڑی چٹان کے کنارے پر ترچھا ہو گیا اور میں گر پڑا پھر میری نظروں کے سامنے اندھیرا چھاتا چلا گیا۔

MashalBooks.org

تیسرا باب

جب ہوش میں آیا تو دیکھا کہ میں ایک بھونڈی، قدیم وضع کی جھونپڑی میں پڑا ہوں۔ جھونپڑی کی چھت گھاس پھوس کی تھی جو خنک ہوا کی وجہ سے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ میرے زخموں کی اچھی طرح مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔ میرا بستر نرم اور ملائم پروں سے بھرے گدے سے بنایا گیا تھا۔ وحشی لوگ میری تیمارداری پر مامور تھے۔

برما کے پہاڑوں میں اب بھی بے شمار وحشی قبائل آباد ہیں۔ ان میں سے کچھ آدم خور اور انسانوں کے شکاری ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب میں بے ہوش ہو گیا تھا تو اس وقت برطانوی فوجی چاروں طرف بچے کھچے جاپانیوں کی تلاش کر رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد ان وحشیوں نے اتفاقاً مجھے دیکھ لیا اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔

اس قبیلے کے لوگ برہنہ رہتے تھے۔ ان کا سارا جسم گدا ہوا تھا۔ جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔ وہ لوہے کے کڑے ہاتھوں میں کہنیوں تک، اور پاؤں میں ٹخنوں سے پنڈلیوں تک پہنے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں سکڑی ہوئی اور چندھیائی ہوئی تھیں۔ ان کے موٹے ہونٹ نیچے لٹکے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود وہ نہایت شائستہ۔ متواضع، خلیق اور نرم دل تھے، اُنہوں نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

جیسے جیسے دن گذرتے گئے مجھے ان کی رحم دلی اور نیک دلی کا احساس ہوتا گیا۔ وہ ہر طرح

MashalBooks.org

میری خیر گری کرتے اور خاطر مدارات میں ہر وقت مصروف رہتے جیسے میں ان کا مہمان ہوں میری بہت اچھی طرح دیکھ بھال کی جارہی تھی۔ ہر روز میری دعوت ہوتی وہ لوگ! انواع واقسام کے مزیدار کھانے اور قوت بخش دوسری غذائیں ہی مہیا نہیں کرتے تھے بلکہ مزید کھانے پر اصرار کرتے تھے۔ اور بالفرض محال اگر کبھی میں کھانے سے انکار کر دیتا تو سب بڑے پریشان ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات تو صورت حال بڑی پریشان کن اور پیچیدہ ہو جاتی تھی۔۔۔۔ رفتہ رفتہ میں روصحت ہوتا جارہا تھا۔ تو یہ وہ حالات تھے جن میں میری زندگی کے شب وروز غیر معمولی طور پر گذر رہے تھے۔

میں ران میں گولی لگنے سے زخمی ہوا تھا۔ اور یہ زخم میری توقع سے کہیں بڑھ کر تیزی کے ساتھ مندمل ہو رہا تھا۔ شروع میں میرا وزن خطرناک حد تک کم ہو چکا لیکن بہت جلد میرے وزن میں بھی اضافہ ہونے لگا اور روز بروز میں خود کو فربہ اور توان محسوس کرنے لگا۔

ایک بوڑھا شخص میرا کھانا لانے پر مامور تھا۔ وہ مجھے تندرست اور فربہ ہوتا دیکھ کر خوشی سے پھولا نہ سماتا۔ کبھی کبھی تو وہ اپنی انگلیاں میرے بازوؤں اور پیروں پر پھیرتا، ان کی پیمائش کرتا پھر حساب لگانے لگتا۔ میرا وزن بھی بے فکری میں اتنی تیزی سے بڑھ رہا تھا کہ نہ صرف بوڑھے کو بلکہ خود مجھے بھی اپنی جسمانی حالت پر رشک آنے لگا تھا۔ مجمع دیکھ کر اس کا جھریوں بھرا چہرہ خوشی کے مارے تمتما اُٹھتا اور پوپلا منہ کھل جاتا۔ کبھی کبھی وہ مجھے تھوڑا سا مگر مچھ کا شوربہ یا گرم خطے کا کوئی مقوی پھل اصرار کر کے کھلاتا۔

''شکریہ، تمہارے بے حد شکریہ!'' میں کہتا اور کھانا لیتا۔ چونکہ میرے کرنے کو کوئی کام نہ تھا اس لئے بستر پر بیٹھے بیٹھے نیا ستار بنانے لگا۔ میٹریل بہت محدود تھا البتہ بانس ہر سائز کے موجود تھے۔ ستار بنانے میں گائے کی کھال یا بھیڑ کی تانت ڈوری کے طور پر استعمال کرتا۔ ویسے ستار بنانے کا خاصا تجربہ تو مجھے پہلے ہی سے تھا۔

ایک دن گاؤں کا بڑا سردار اپنی بیٹی سمیت مجھے دیکھنے آیا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا دیوہیکل شخص تھا۔ اس کا کرخت چہرہ، کوئلہ کی طرح سیاہ اور شاہانہ وقار کا نمونہ تھا۔ اس نے میرا معائنہ اس طرح کیا جیسے وہ کوئی ڈاکٹر ہو اور کسی خصوصی نوعیت کے کیس کا مطالعہ کر رہا ہو، پھر اس نے شکایتاً بوڑھے سے کہا کہ یہ شخص ابھی اتنا صحت مند نہیں جتنا اسے ہونا چاہیے۔ یقیناً یہ سب تمہاری غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔۔ بوڑھا شخص گڑگڑانے لگا۔

MashalBooks.org

''ارے نہیں ! انہوں نے تو میری بہت اچھی تیمارداری کی ہے۔ میں ساری زندگی ان کا احسان مند رہوں گا۔۔۔۔'' میں نے بیچ میں پڑتے ہوئے اس کی پرزور سفارش کی۔۔ بوڑھا شخص محض سردار کو دکھانے کیلئے میرے جسم کو تھپتھپا تا رہا تا کہ وہ خود دیکھ لے کہ میں کتنا موٹا ہو گیا ہوں۔ سردار کی لڑکی نے بھی میرے زخموں کا معائنہ کیا۔ وحشی ہوتے ہوئے بھی وہ غیر معمولی طور پر ایک پیاری سی شرمیلی لڑکی تھی۔ میرے زخموں پر جڑی بوٹیوں کا لیپ کرتے ہوئے وہ بار بار آہیں بھرتی رہی وہ میری حالت پر غمگین دکھائی دیتی تھی۔

میں نے اس کی دلجوئی کیلئے ستار پر ایک مدھر گیت کی دھن چھیڑ دی۔ حالانکہ مجھ میں ابھی اتنی کمزوری باقی تھی کہ ستار بجاتے ہوئے میں ہانپنے لگا تھا۔ سردار کی بیٹی انتہائی ہمدرد تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی جیسے بے خود ہو گئی ہو۔ اس نے اپنی مخمور نگاہیں ابھی تک مجھ پر گاڑ رکھی تھیں۔ اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ اتنی فکرمند دکھائی دے رہی تھی جیسے میں موت کے دہانے پر کھڑا ہوں اور عنقریب اس دُنیا سے کوچ کرنیوالا ہوں۔

''تمہارے خیال میں کیا میں مرنے والا ہوں؟'' میں نے اس سے پوچھ لیا۔ ''ذرا میری طرف دیکھو!'' میں نے اپنے بھرے بھرے بازو آسانی کے ساتھ موڑتے ہوئے خود بخود اُٹھنے کی کوشش کی لیکن ابھی میری ٹانگوں میں اتنا دم کہاں تھا۔ میں بستر پر لڑھک گیا۔ لڑکی کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔

جب سردار جانے لگا تو میں نے قدرے جھکتے ہوئے اسے تعظیم پیش کی اور اس کی مہربانیوں کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔۔۔۔ وہ مسکرایا اس نے اپنے ٹیڑھے میڑھے دانت باہر نکالے اور اثبات مین سر ہلا دیا۔ پھر بولا۔

''ابھی اس شخص پر مزید محنت کرنے کی ضرورت ہے۔'' اس کے بعد اس نے مجھے اپنی پسند کا ویسا ہی پان دیا جیسا وہ خود چبا رہا تھا۔ غیر مذہب ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ حقیقتاً کتنے نیک اور رحمدل ہوتے ہیں۔ میں سوچنے لگا۔

وہ لوگ میری جلد صحت یابی کیلئے اچھی طرح دیکھ بھال کرتے رہے۔ ان دنوں چاند موم کی طرح پگھل رہا تھا۔ گھاس پھوس سے بنی ہوئی جھونپڑی پر ہر رات بہت بڑا چاند نکلا کرتا تھا۔ اس کی دودھیا روشنی میں ایسا دکھائی دیتا جیسے آسمان سے خوش مزاج روحیں زمین پر اتر آئی ہوں۔ تہوار آنے والا ہے۔ میں نے سوچا۔ ایک رات جب مکمل چاند تھا اور ہر شئے چاندنی

میں نمائی ہوئی تھی، باہر ایک بڑی تقریب کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ بوڑھا شخص میرے لیے نہایت عمدہ کھانا لایا۔ جس میں بھنا ہوا ایک چوزہ بھی تھا۔ جب سے جنگ کا پانسہ ہمارے خلاف پلٹا تھا میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا مزیدار کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے بوڑھے کا ہاتھ دبایا جس کا جواب اس نے میرے فربہ بدن کو ٹھک ٹھکاتے ہوئے دیا۔۔۔۔۔ ہم تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔ یقین مانئے ہماری گفتگو میں ظاہری رکھ رکھاؤ زیادہ تھا وہ برمی زبان بول رہا تھا۔ لیکن ایک دوسرے تک اپنی بات پہنچانے میں ہم خاصے کامیاب تھے۔

''مجھے خوشی ہے تم اچھے خاصے تندرست ہو گئے ہو، اس نے کہا۔۔۔۔''

''اور کسی کو ہو نہ ہو۔ کم از کم مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔۔۔۔ باہر چاندنی میں خوشی سے سرشار لوگ بانسریاں بجا رہے تھے۔

''تمہارا ایک بار پھر شکریہ'' میں نے تعظیماً جھکتے ہوئے کہا۔

''دیکھو، جو کچھ اب تک میں لاتا رہا تم بلا چون و چرا کھاتے رہے اس لئے میرا کام ہلکا اور آسان ہو گیا تھا۔ حالانکہ پہلے آنے والے قیدی نے کھانے پینے سے انکار کر کے مجھے بہت پریشان کیا کرتے تھے۔۔۔۔

''میں پہلے کی نسبت زیادہ توانائی محسوس کر رہا ہوں۔ میں تمہارے حسن سلوک کا انعام دینا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔۔۔۔

بوڑھے نے کچھ سوچ کر میری گردن میں چٹکی بھری اور کہنے لگا۔ ''میرا خیال ہے گاؤں میں ہر شخص کو کافی حصہ مل جائے گا۔''

''کیا؟'' میں سمجھا نہیں۔

''یہی کہ تمہارے مزیدار گوشت کا ایک ایک ٹکڑا سارے گاؤں میں برابر تقسیم ہو جانا چاہیے۔''

''تم لوگ مجھے کھانا چاہتے ہو۔'' میں گھبرا گیا۔

''بالکل'' بوڑھے شخص نے جواب دیا۔ اس کا جھڑیوں بھرا چہرہ بات کرتے ہوئے ایک طرف سکڑ گیا تھا۔ ''میں تمہارا کس طرح شکریہ ادا کروں کہ تم نے میری لاج رکھ لی۔ ہمارے سردار کو ایسے موٹے تازے گداز بدن والے لوگ بہت پسند ہیں۔''

یہ کس قسم کی صورت حال سے میرا واسطہ پڑنے والا ہے! تو کیا یہ لوگ مجھے واقعی کھالیں

گے؟'' اپنے گداز جسم کو دیکھتے ہوئے میں فکر مند ہو گیا تھا۔ میرا جسم ورزش نہ ہونے کے سبب نرم اور ملائم ہو چکا تھا۔۔۔ ''تو یہ وحشی آدم خوروں کا گاؤں ہے؟۔''

میں نے بوڑھے شخص سے اس کے قبیلے کا دریافت کیا تو اس نے یوں ہی کوئی ایک نام بتا دیا۔ میں پہلے بھی اس قبیلے کے بارے میں سن چکا تھا۔۔۔ اس کی تعداد ہائی لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ وہ انسانی سروں کے شکاری ہوتے ہیں اور انسانی گوشت بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔ کسی شخص کو قیدی بنا لیتے ہیں تو وہ اسے الاؤ کے نزدیک بٹھا دیتے ہیں تا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو جائے تو وہ اس کے بے تحاشا بہتے ہوئے پسینے کو اپنے گندھے ہوئے آٹے کے پیڑوں میں جذب کر لیتے ہیں اور اسے سینک کر کھاتے ہیں۔

آدم خور ہونے کے باوجود وہ کسی کو بلاوجہ جان سے نہیں مارتے۔ اور مارتے بھی ہیں تو اس وقت، جب جادو ٹونا کرنے کیلئے اس کا مارنا ضروری سمجھتے ہیں وہ غیر مرئی قوتوں، غیر محسوس اشیاء اور شیطانی روحوں سے مسلسل خوف زدہ رہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ ان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔

یہ خوفناک چہرے والے وحشی لوگ ڈرپوک بھی ہوتے ہیں۔ اچھی فصل کے حصول کیلئے وہ مخصوص عبادت کرتے ہیں۔ ان روحوں کے غیض وغضب کو ٹھنڈا کرنے کیلئے اپنی کسی قیمتی شئے کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ وہ قربانی بھی محض انسانی سر کی ہوتی ہے۔ وہ اپنے شکار کا گوشت ہڑپ کر جاتے ہیں کیوں کہ اس طرح ان کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس طرح وہ شیطانی ارواح یا بدروحوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے ہم پلہ ہو جاتے ہیں اس لئے یہ لوگ فصل کے تہوار کے موقع پر بہت خوفناک ہو جاتے ہیں۔ البتہ تہوار ختم ہوتے ہی وہ پھر ویسے ہی نرم دل اور نیک بن جاتے ہیں۔

برما میں ہر جگہ ان بدروحوں کے معتقد ہوتے ہیں۔ ان روحوں کو وہ نیٹس (Nets) کہتے ہیں، ان کے اعتقاد کے مطابق یہ سب بدرروحیں، درختوں چٹانوں اور دوسری قدرتی اشیاء میں بسیرا کئے رہتی ہیں۔ تمام برمی لوگ حتیٰ کہ باشعور، دانشور، ذہین طبقے کے لوگ تک، نیٹس، کی پرستش کرتے ہیں۔ میں نے اکثر ان لوگوں کو قربانی پیش کرتے دیکھا ہے۔ ''نیٹس'' کو راضی کرنے کیلئے ہی لوگ اپنی مذہبی رسوم ادا کرتے ہیں۔۔۔ یہ وحشی لوگ بھی، نیٹس، کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے چھوٹے چھوٹے مندر تعمیر کر لیتے ہیں۔

MashalBooks.org

''کچھ پتا ہے، تم لوگ مجھے کب کھاؤ گے؟'' میں نے بوڑھے سے پوچھا۔

''اسی تہوار کو، جو کل ہے!''

اب اس مرحلے پر کھانے سے پرہیز کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔۔ بھنا ہوا چوزہ میں سارے کا سارا ہڑپ کر چکا تھا۔ مگر میرا حلق خشک ہونے لگا تھا، ۔بوڑھا بڑے اشتیاق سے میرے بدن کو تکے جا رہا تھا۔

البتہ میں بہت پرسکون اور خاموش تھا۔ مجھے خود حیرت تھی۔ میرا واسطہ قدیم وضع کے سادہ لوح لوگوں سے تھا۔ کچھ نہ کچھ بہر حال کرنا پڑے گا۔۔۔ میں نے سوچا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ اب تو فرار ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو گیا ہے اور فرار کی کوشش بھی خطرناک تھی۔ بلکہ اب تو ہر لمحہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔

اس وقت مجھے اپنے ستار کا خیال آیا۔۔۔ میں اسی پر بھروسہ کر سکتا ہوں اس وقت یہ ستار میرے بہت کام آ سکتا ہے۔۔ میں دل ہی دل میں بڑبڑانے لگا۔۔۔ ستار کو اپنے پہلو میں رکھ کر میں لیٹ گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس رات مجھے خوب نیند آئی۔ کس نے سچ کہا ہے کہ ''سولی پہ بھی نیند آ جاتی ہے۔''

اگلے دن صبح سویرے، سورج کی پہلی کرن پھوٹتے ہی مجھے برہنہ حالت میں دریا کے کنارے لے جایا گیا۔ وہاں سر سے پیر تک مجھے رگڑ رگڑ کر مانجھا گیا اس کوشش میں مجھے چوٹ تک لگ گئی تھی۔ مقامی لوگوں نے صفائی بھی اسی طرح کی تھی۔ پھر مجھے ایک آراستہ پیراستہ سجے سجائے پنجرے میں بٹھا دیا گیا۔ میں وہاں اطمینان سے اپنا ستار لے کر بیٹھ گیا۔ اس پنجرے کو گاؤں کے وسط میں ایک عبادت گاہ کے سامنے لے جا کر رکھ دیا گیا۔۔۔

عبادت گاہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ جو بانسوں کے جنگل سے منسلک تھی سامنے قربان گاہ تھی جس پر بیل کے سر اور انتڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ شاید ان چیزوں کی بھینٹ چڑھائی گئی ہوگی۔ لمبے لمبے کھمبے چاروں طرف سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ جن پر آڑی ترچھی لکڑیاں نصب تھیں۔ سحر انگیز ہونے کے ساتھ یہ منظر کچھ عجیب معنی خیز دکھائی دے رہا تھا۔ جھونپڑی کے ساتھ ہی ایک گھنا درخت تھا۔۔۔ رسومات شروع ہو چکی تھیں۔ قبیلے کے تمام لوگوں نے مختلف قسم کی رسمیں انجام دیں۔ وہ ایسے موقعوں پر جادوئی عمل کیلئے پڑھے جانے والے منتر الاپتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنے چاقو اور نیزے سنبھال لئے اور میرے چاروں طرف رقص کرنا شروع کر دیا۔

وہ بغیر چھجے والے پروں کی ٹوپیاں پہنے اور ہتھیلی جیسی بڑی ہڈیوں کے زیورات کانوں میں پہنے ہوئے تھے۔ ایک لمبی قطار میں وہ لوگ ایک لے، ایک ردھم میں چلاتے اور اپنے پاؤں کو زمین پر زور زور سے ٹپکتے، اپنے کولھوں کو تیزی سے مٹکاتے ہوئے رقص کر رہے تھے۔ اور آہستہ آہستہ ان پر دیوانگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اچانک وہ مقدس ''نیٹ درخت'' جیسے عبادت کر رہے ہوں۔ وہ کبھی اپنے سر زمین کی طرف جھکا لیتے اور انتہائی تیزی سے کانپتے، تھرتھراتے اور لرزنے لگتے۔ آخر کار اُنہوں نے میرے پنجرے کے گرد حلقہ کر کے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ گا رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ چیخیں بھی مارنے لگتے۔ جیسے خوف و دہشت میں مبتلا ہوں۔ ان کے چاقو اور نیزے آگے پیچھے، ادھر ادھر میرے نظروں کے سامنے چمک رہے تھے۔۔۔۔ بس کوئی لمحہ جاتا ہے کہ یہ مجھے پنجرے سے باہر نکالیں گے۔ اور قتل کر دیں گے۔ میں نے سوچا۔

اب وقت ہے کہ اپنے ستارے سے کام لیا جائے۔ میں نے اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا سہارا لیا۔ جب تک ستار میرے پاس موجود ہے میں ان لوگوں پر حاوی ہو سکتا ہوں۔ پنجرے کے اندر آلتی پالتی مار کر بیٹھے چھالیہ چباتے اور کھیسانی ہنسی ہنستے ہوئے میں مسلسل سوچتا رہا۔ میں نے ان سب بہترین نغموں اور گیتوں کی دھنیں بجائیں جنہیں میں جانتا اور بجا سکتا تھا۔۔۔ خوشی اور رنج والم دونوں طرح کے گیت۔ لیکن سارا کیا دھرا بیکار گیا۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وحشیوں کو میرے گانوں، میری دل نواز دھنوں اور میرے مدھر گیتوں سے جیسے کوئی رغبت ہی نہ تھی انہیں کوئی خوشی نہ ہوئی۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ میں ستار کتنا اچھا بجاتا ہوں۔ یا میرے گیت کتنے مدھر ہیں؟ مجھے تو یوں لگتا تھا جیسے میں نے بھینس کے آگے بین بجائی ہو۔۔۔۔ اس کے برعکس، وہ لوگ انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اپنے۔ چاقو اور نیزے لہراتے اپنے بے سروپا گانوں کی دھن پر رقص کرتے رہے۔۔۔ وہ سراسیمہ اور گھبرائے ہوئے تھے۔ اپنے ''نیٹ'' سے منتیں اور التجائیں کر رہے تھے۔ ان کا یہ طریقہ کار انتہائی مکروہ تھا۔ اور منظر ہولناک۔

اُنہوں نے پہلے ہی سے الاؤ کے لیے لکڑیوں کا انبار جمع کر رکھا تھا۔ اُنہوں نے لکڑیوں کو آگ لگائی اور پھر مجھے پنجرے سے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ پہلے اُنہوں نے میرے پیر باندھے اور پھر الاؤ کے اتنے قریب بٹھا دیا کہ میرا بدن جھلنے لگا۔ گرمی ناقابل برداشت تھی۔ لیکن میں نے اپنا دھیان ستار میں لگا دیا اسے بجانے میں پوری طرح مگن ہو گیا۔ میں ان کی نیت

بدلنے کی کوشش کرتا رہا۔لیکن میری ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔

گرمی کی شدت ناقابل برداشت تھی۔لیکن قہر درویش بجان درویش ، مجبوراً اسے برداشت کرنا پڑا۔میرے بدن سے بے تحاشا پسینہ بہہ رہا تھا۔پھر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سارا بدن گرم پانی میں غوطے کھا رہا ہو۔گرمی کی حدت سے میرے بال تک سوکھ چکے تھے۔

اب وحشی میرے آس پاس گول دائرے میں جمع ہو گئے تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں گندھے ہوئے آٹے کا پیڑا تھا۔ جسے باری باری وہ میرے بدن سے مسلتے رہے۔ پسینے میں خوب تر کرنے کے بعد ادب سے وہ آٹا اوپر اُٹھاتے اور کھا لیتے۔ان کا یہ شغل کافی دیر جاری رہا۔۔۔میں نے دیکھا کہ تھوڑے فاصلہ پر اور دوسرے لوگ اپنے چاقو تیز کرنے میں مصروف ہیں۔۔۔۔مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔کوئی دم جاتا ہے۔کہ یہ سب لوگ مل کر مجھے ہڑپ کرلیں گے۔۔۔۔میں سوچنے لگا۔ مجھے محض اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے اس خطرے کو اتنی آسانی سے نظر انداز کیوں کر دیا تھا!

پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ زور دار ہوا کے جھکڑ چلنے لگے۔الاؤ کے شعلے، کسی عفریت کی زبانوں کی طرح لپک لپک کر میری جانب بڑھنے لگے تا کہ مجھے زندہ بھسم کر دیں۔وحشی مسلسل مجھے پانی پلا رہے تھے تا کہ پسینہ بہتا رہے ہوا میں شدت پیدا ہو گئی تھی۔ جب یہ تیز و تند ہوا اور درختوں سے ہو کر گذرتی تو سارے پتے میرے ننگے بدن پر بوچھار کی طرح کرنے لگتے۔

اب تو میرا سر بھی چکرانے لگا تھا۔ مجھے اتنی شدت سے پیاس لگی کہ میں چیخنے لگا اور زیادہ پانی مانگنے لگا۔لیکن اُنہوں نے مزید پانی پلانے سے انکار کر دیا۔میرے بدن سے آٹے کا مسلنا بھی موقوف ہو گیا تھا۔گویا ساری رسوم ختم ہو چکی تھیں۔۔۔میں نے سمجھا کہ اب میرا آخری وقت آ پہنچا ہے یہ سوچ کر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔۔۔تھوڑی دیر بعد جب میں نے دوبارہ اپنی آنکھیں کھولیں تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ سب میرے چاروں طرف حیران و پریشان کھڑے ہیں اور اس بڑے ''نیٹ درخت'' معلوم ہوتا تھا جیسے درخت تکلیف سے کراہ رہا ہو۔

ہوا کے دوسرے جھونکے نے مقدس درخت کو بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔وحشیوں نے پر شور ہوا کی سائیں سائیں سے گھبرا کر اپنے کان بند کر لیے اور منہ کے بل اوندھے گر گئے۔ کچھ لوگ ہاتھ باندھے مودبانہ کھڑے تھے اور کچھ دُعائیں مانگ رہے تھے۔ جب درخت ہوا کے

شدید دباؤ سے ہچکولے کھانے لگتا تو وہ اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا دیتے تا کہ کسی نادیدہ قوت کے حملہ سے اپنا بچاؤ کر سکیں۔اس وقت درخت بڑے غیض وغضب کی حالت میں تھا۔ان لوگوں کو ڈر تھا کہ کہیں اُنہوں نے روحوں کو ناراض نہ کر دیا ہو۔

'اب میری باری ہے۔''میں نے سوچا۔''اس وقت حالات میرے موافق ہیں۔لوہا پتا ہوا ہے۔صرف زوردار ضرب لگانے کی دیر ہے۔بات موقع ومحل کی ہوتی ہے۔اسٹیج تیار ہے۔اس سے بڑھ کر اور کون سا موقع آئے گا۔مگر میرے تو پاؤں بندھے ہوئے تھے اور میں بالکل چیت لیٹا ہوا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ ستار ابھی تک میرے پاس تھا۔ چنانچہ میں نے ایک دم تقریباتی موسیقی کی تیز دھن چھیڑ دی جو برمی لوگ اپنے ''نیٹ دیوتا'' کی پرستش اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے بجایا کرتے ہیں۔ایک تو دھن تیز تھی اس پر میں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا تھا۔ادھر ہوا بھی دوبارہ زور شور سے چلنے لگی تھی۔ میں نے بھی ستار پر زوردار ضربوں سے انتہائی ہولناک اور دہشت پھیلانے والی پر ہول آوازیں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ یہ بات سونے پر سہاگہ ثابت ہوئی۔وحشی ان ملی جلی آوازوں کی دہشت سے چیخیں مارنے لگے۔

میں نے ''نیٹ دیوتا'' کے نام لے لے کر زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔احمقانہ اور واہیات طریقوں سے خود بھی چیخنے لگا اور پھر ایسی خوفناک آوازیں نکالیں جیسے بدرروحیں نیچے آنے لگی ہوں قہقہ لگا رہی ہوں جسے وہ غصیلی آوازوں کے ساتھ ہمارے چاروں طرف منڈلا رہی ہوں ہم پر حملہ کر رہی ہوں۔وحشی خوف کے مارے چیخ رہے تھے۔لرز رہے تھے۔اس بڑے درخت کے جھولنے میں ابھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ میں اس کی حرکات وسکنات دیکھ کر ستار بجاتا رہا رفتہ رفتہ وحشیوں نے اپنے چہرے ڈھانپ لئے وہ منظم طریقہ سے پہلے پیچھے ہٹتے چلے گئے اور پھر اسی ترتیب میں آہستہ آہستہ دبے پاؤں جھکے جھکے میرے پاس آئے۔اُنہوں نے میرے پاؤں کھول دئے۔ میں اچھل کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔پہلے میں نے انہیں خشک نگاہوں سے گھور کر دیکھا پھر سیدھا سردار کے برابر جا کر بیٹھ گیا۔

ہوا کا زور ابھی تک نہیں ٹوٹا تھا۔لہٰذا میں نے نیٹ درخت کی بدروحوں کو خاموش کرنے کیلئے ایک عجیب وغریب دھن بجائی۔ جانے کس بات کا اثر تھا کہ اچانک ہوا تھم گئی اور وحشی آخر کار سکون سے بیٹھ گئے۔اس کے بعد پورے چاند کی ٹھنڈی اور فروخت بخش روشنی میں ایک دل فریب جشن کا آغاز ہو گیا۔اس وقت تازہ تازہ خنک ہوا چلنے لگی تھی۔نہایت ہی خوشگوار اور فرحت

بخش۔ باجرے پر اوس کے قطرے چمک رہے تھے۔

سردار نے بھینس کے سینگ سے کوئی مشروب پیا وہ مجھے بھی مشروب پینے پر مجبور کرتا رہا۔ قبیلے کے دستور کے مطابق، انکار کرنا ان کے لیے سخت ذلت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنے رسم ورواج کے خلاف اور اپنی توہین سمجھتے ہیں ۔ وہاں سب کے پاس چاقو، چھرے، نیزے اور بندوقیں تک موجود تھیں لہٰذا میں انہیں ناراض کر دینے کی جرات نہ کر سکا۔ پہلے تو میں شراب آہستہ آہستہ پیتا رہا۔ لیکن جلد ہی سب غٹا غٹ پی گیا۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر کیا تھا سارا منظر بدل گیا تھا۔ ہر شئے زبان حال سے کچھ کہہ رہی تھی اور میری آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی تھی۔

سردار ایک بلند حوصلہ زیرک شخص تھا۔۔۔ موقع ومحل خوب سمجھتا تھا۔۔۔۔۔ وہ گانے لگا اور ساتھ ساتھ کھانوں سے بھی لطف اندوز ہوتا رہا۔ یکا یک اس کے جی میں کیا آئی کہ اس نے دوبارہ سینگ اُٹھایا اور بچی کھچی شراب اپنے حلق میں انڈیلی اور سینگ نیچے زمین پر رکھ دیا۔ پھر اس کے تیور ہی کچھ اور ہو گئے۔ اس نے اپنا خونخوار چہرہ قدرے میری طرف کیا اور کہنے لگا۔

''تم''۔۔۔۔۔۔۔ وہ غرایا۔ اس کے دانت باہر نکل پڑے۔ ''تم،۔۔۔۔ تمہیں میری بیٹی سے شادی کرنی پڑے گی۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔۔'' اس کی خون آشام آنکھیں اور سکڑ گئیں۔۔۔۔ ''ورنہ، جانتے ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تمہارا سر تن سے جدا کر دوں گا۔''

کپتان نے یہ سطریں پڑھیں تو ہم اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

''بھئی، میز وشیما جیسے تین اور سنجیدہ شخص کیلئے یہ کیا مسئلہ پیدا ہو گیا!

''اگر ایسی صورت حال کا سامنا مجھے ہوتا تو یقیناً میں اس آدم خور لڑکی سے بخوشی شادی رچا لیتا!''

کپتان خود بھی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے آگے پڑھنا شروع کیا۔

''میرے تو ہوش اڑ گئے۔ میں نے نظریں چڑا کر دیکھا وہ لڑکی کی شرماتی لجائی سی، اپنی نگاہیں نیچے کئے خاموش بیٹھی تھی۔

سردار اس وقت بہت سنجیدہ تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ لڑکی کو اور دوسرا مجھے پکڑا دیا۔ اس نے اپنے قبیلے سے خطاب کرتے ہوئے کچھ اس طرح سے گفتگو شروع کی جیسے ہم دونوں کی نسبت پہلے ہی طے پا چکی ہو۔

''میرے لوگو، آج رات کی تقریب میں جو گڑبڑ ہوئی۔ اس کیلئے میں آپ سے معافی چاہتا

ہوں۔۔۔۔۔۔یہ دولہا جو آپ دیکھ رہے ہیں، ایک اچھا اور باحوصلہ نوجوان ہے۔کاش میرلئے ممکن ہوتا کہ میں اس نوجوان کے گوشت کا ایک ٹکڑا آپ سب کو دے سکتا۔یقین جانئے اس سے ہماری لڑنے کی قوت میں ایک قابل قدر اور شاندار اضافہ ہوجاتا۔افسوس کوشش کے باوجود بھی میں ایسا نہیں کرسکا۔۔۔۔کیوں؟ آپ سب نے دیکھا۔اس نوجوان میں بدروحوں سے باتیں کرنے کا کتنا حوصلہ اور طاقت ہے۔ذرا سوچو اگر ہم اسے مار ڈالیں تو روحیں کیا کچھ نہیں کریں گی؟اس لئے آپ کا سردار ہونے کے ناطے میں اپنی لڑکی کیلئے اس نوجوان کا انتخاب کیا ہے۔یہ گاؤں کے بہترین مفاد میں بھی ہے۔اسے کھانے کے بجائے میں نے اس نوجوان کی شادی اپنی بیٹی سے کرنے کا ارادہ کیا ہے۔اس طرح سے .....''ہجوم نے جوش وخروش سے سردار کی تائید کی اور اس کے انتخاب کو سراہا اب میں ایک الجھن میں پڑ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مجھے اب زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت تھی۔لیکن میں خیال کرسکتا تھا۔کسی بھی روائتی دولہا کی طرح۔۔میں مسکین بنا خاموشی سے زمین کو تکتا رہا۔یہ قسمت مجھے کھینچ کر کہاں لے آئی ہے؟''۔۔۔۔۔۔

''اب تک تم نے کتنے انسانوں کا شکار کیا ہے؟''سردار نے سرگوشی میں مجھ سے پوچھا۔

''کسی ایک انسان کا بھی نہیں۔''میں نے اسی انداز جواب دیا۔

''یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔تم دس بیس کوئی تعداد بھی بتا سکتے ہو۔تھوڑا بہت بڑھا چڑھا کر بھی بتا سکتے ہو۔کمی بیشی تو ہوتی رہتی ہے۔کوئی مضائقہ نہیں۔اگر تم نے کچھ نہ بتایا تو سوچو تو سہی، میں قبیلے کے سامنے کیا منہ دکھاؤں گا اب جلدی کرو، بتا کتنے؟''

''خوب! میں نے سوچا۔شادی تو بہرحال مجھے اس لڑکی سے کرنی نہیں۔میں نے بلند آواز میں کہا۔

''میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی انسان کا شکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی انسان کا سر تن سے جدا کیا۔''سردار برمی طرح میرے اوپر برس پڑا۔اس کے خواب وخیال میں بھی نہ ہوگا کہ میں اسے ایسا جواب دوں گا۔اس نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے۔سر پیٹ لیا۔اور ایک مچلتے ہوئے ضدی بچے کی طرح اپنے پاؤں زمین پر پٹخنے لگا۔۔اس نے چلا کر کہا۔''ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔کیا کوئی ایک آدمی بھی نہیں مارا؟ایک تو ہوگا میں اپنی بیٹی ایک غیر مستقل مزاج بزدل کے حوالے نہیں کرسکتا!اس سے تمہیں کھالینا ہی بہتر ہے۔''

MashalBooks.org

لیکن اس کی بیٹی نے باپ کی گردن میں اپنے بازو حمائل کر دیئے اور میری جان بخشی کیلئے نہ صرف درخواست کی بلکہ اسے منوا بھی لیا۔

میں روانہ ہوا تو سارا گاؤں مجھے رخصت کرنے کیلئے امڈ آیا۔ سردار کی بیٹی کو میرے جانے پر بہت افسوس تھا۔ جس کا اس نے برملا اظہار بھی کیا۔ اس نے مجھے ایک معروف بدھ بھکشو کی عبا پہننے کو دی تا کہ آئندہ مجھے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس نے میرے ہاتھ پر ٹین کا ایک بازو بند باندھ دیا جس پر مقدس سوتر کنندہ تھے۔

میں نے سوچا کہ یہ بازو بند بھی درحقیقت اسی مقتدر اور ذی رتبہ بھکشو کا ہوگا جس کی یہ عبا ہوگی۔ بھکشو ان وحشیوں کے چنگل میں آیا ہوگا تو ان کا نوالہ بن گیا ہوگا۔ بے چارا! اب اس کی ضرب یہ یادگار رہ باقی تھی۔۔۔ میں اس لڑکی کا بے حد شکر گذار ہوں کہ اس کی وجہ سے آج میں زندہ ہوں اور بیٹھا تمہیں خط لکھ رہا ہوں۔ محض اس کی مہربانی سے بعد کو میں ہر قسم کے فائدے اُٹھاتا رہا۔

مودان تک! ایک آواز، میرے ضمیر کی آواز مسلسل دل کو کچوکے لگاتی رہی، چیختی چلاتی رہی شاید کوئی خلش باقی رہ گئی تھی۔۔۔ گاؤں کے باہر پتھریلی چڑھائی چڑھتے ہوئے یکبارگی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سردار کی بیٹی کی ہلکی سی جھلک دور سے دکھائی دی جو نیٹ دیوتا کی عبادت گاہ پر عبادت میں مشغول تھی۔۔۔ پھر میں اپنی منزل کی جانب انتہائی تیزی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

MashalBooks.org

چوتھا باب

مودان کس طرح پہنچا جائے؟ میرے ذہن میں اس سوال کا کوئی واضح جواب موجود نہ تھا۔ میں نے اپنا سفر جنوب کی طرف جاری رکھا، پہاڑوں اور وادیوں سے ہوتے ہوئے میدانی علاقے تک جہاں گاؤں کی بہتات تھی۔ میرا سفر جاری تھا۔

میرا سفر بے رونق اور پرامن دھان کے کھیتوں کے درمیان مسلسل جاری رہا۔ یہ وحشیوں کا علاقہ نہیں تھا بلکہ ایک قدیم اور بلند پایہ تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ ادھر ادھر کسان اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ وہ بھینسے استعمال کر رہے تھے۔ بھینسے چلنا شروع کرتے تو برفیلے بگلے اڑتے اڑتے اور ان کی پشت ۔۔۔۔۔۔۔ یا سینگوں پر بیٹھ جاتے ۔۔۔ لیکن جب کبھی بھینسے، کھیت کے کنارے پہنچ جاتے اور کسان اپنا ہل موڑتا تو وہ خوف کے مارے تیزی سے اڑ جاتے۔

ایک مرتبہ سفر کے دوران مرطوب ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں اور جلد ہی سارا آسمان سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ بگلے ہوا میں روئیں دار، نرم پروں کی طرح اڑتے پھر رہے تھے۔ اچانک بارش شروع ہوگئی۔ برما میں شدید بارشیں ہوتی ہیں۔ قبل اس کے کہ مجھے علم ہوتا موسلا دھار بارش نے گویا میرا راستہ روک دیا۔ میں بمشکل سانس لے سکتا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں پانی میں تیر رہا ہوں۔

MashalBooks.org

تھوڑی دیر بعد جب بارش رک گئی۔ مطلع صاف ہوگیا تو اچانک سارا زمینی منظر ایک دم چمک اُٹھا اور ایک وسیع قوس وقزح آسمان پر نمودار ہوگئی۔ نمی ختم ہوگئی تھی۔ جیسے درمیان میں کوئی دبیز پردہ حائل تھا جو اُٹھ گیا۔ قوس وقزح کے دلکش رنگوں کے نیچے کسان والہانہ انداز میں کوئی گیت گانے لگے اس کے بعد وہ حسب معمول دوبارہ ہل چلانے میں مصروف ہوگئے۔

ان دیہاتوں میں جب کبھی میں لوگوں کے دروازوں پر رکتا تو لوگ بکمال مہربانی مجھے خیرات سے نوازتے۔ بعض اوقات، میں مندر میں ٹھہر جاتا جہاں میرا انتہائی گرمجوشی سے خیر ومقدم کیا جاتا۔ صرف بازو بند کی وجہ سے ایسا ہو رہا تھا لیکن اس نے مجھے بہت بے آرام بھی کر دیا تھا۔ کیونکہ میں پروہتوں کے رسم رواج اور آدب سے قطعی ناواقف تھا۔

اس ملک میں بھکشوؤں کی تعداد کبھی کم نہیں ہوئی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جب تک زندہ رہتے ہیں حرف شکایت کبھی زبان پر نہیں لاتے۔ کچھ سالہال درختوں سے لٹکتے رہتے ہیں یا جان بوجھ کر خبیطوں، دیوانوں جیسی حرکتیں کرتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی بات کر لیتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی عجیب کیوں نہ ہو۔ نفس کشی یا ریاضت کر کے کفارہ ادا کر لیتے ہیں۔ غرض نجات حاصل کرنے کیلئے وہ کڑی سے کڑی مشقت برداشت کر لیتے ہیں۔ ان میں چند نیم برہنہ حالت میں، برف پوش ہمالیہ پر رینگ رینگ کر چڑھتے ہیں۔ یہ حیران کن، ہکا بکا دینے والی بات ہے کہ اس جنوبی سرزمین کے باسیوں نے کتنی سنجیدگی اور متانت سے اپنی دُنیاوی وجود۔۔۔۔۔ اس کے بندھن سے نجات پانے اور پروان حاصل کرنے کیلئے طویل جدوجہد کی ہے اس لئے میں نے بھی ایک طویل عرصے تک خاموش رہ کر گذارا کیا۔ میں اپنے طور پر تزکیہ نفس اور زہد خشک کی مشق کرتا رہا۔ بس اپنے مقصد، اپنے کام سے کام رکھنے کو میں نے اپنا شیوہ بنالیا کیونکہ اجنبی لوگ خواہ مخواہ اپنے معاملات میں دوسرے کی دخل اندازی اور بلاوجہ ٹوہ لگانے کو قطعاً پسند نہیں کرتے۔ یہ صرف بھکشو ہی ہوتا ہے جو بغیر کسی شک وشبے کے ہر جگہ آجا سکتا ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔

ماضی میں مجھے بھی چند ایسے برے لمحات سے سابقہ پڑ چکا ہے۔ ایک مرتبہ میں کسی گاؤں میں پہنچا جو گھنٹے گھڑیالوں، ڈھولوں نقارون اور ستاروں کی ملی جلی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ ابھی شام کا جھٹ پٹا تھا۔ گاؤں والوں نے زرق برق لنگیاں پہنی ہوئی تھیں۔ خواتین نے اپنے بنے سنورے بالوں میں پھول سجا رکھے تھے۔ بچے بوڑھے جوان عورت مرد جوق در جوق ایک ہی سمت چلے جا رہے تھے۔ سارا گاؤں اپنے گھروں سے ایک سیلاب کی شکل میں باہر نکل آیا تھا۔

دراصل اس رات ایک رقص وڈرامہ پوئے (Pwe) نامی پیش کیا جارہا تھا۔ اس طرح کے موقعوں پر زرق برق بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے نوجوان مرد وخواتین کے بڑے بڑے گروہ موسیقی کی اترتی چڑھتی ردھم اور لے پر قدم سے قدم ملاتے صبح ہونے تک بے تکان رقص کرتے رہتے ہیں۔ دوران رقص وقفوں کے درمیانی رقص کے ساتھ کھیل اور ٹیبلو بھی پیش کئے جاتے رہے۔(Pwe) پوئے صدیوں سے اسی طرح چلی جارہی ہے اور یہ برمی لوگوں کی انتہائی دل پسند تفریح سمجھی جاتی ہے۔

میں ایک طرف کھڑا ان کی اس تقریب سے محظوظ ہورہا تھا جس کی ابجد تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''محترم بھکشو، برائے کرم ہمارے پوئے (Pwe) میں شرکت کیجئے۔'' ایک دیہاتی نے انتہائی عقیدت واحترام سے کہا۔

''چاہیے تو یہ تھا کہ میں مہذب طریقے سے انکار کردیتا مگر میں نے اکھڑ رویہ اختیار کیا۔'' توبہ توبہ۔ اعتراف گناہ اور اس طرح؟'' ..... کسی کے رسم ورواج اور اس کے طور پر طریقوں سے ناواقفیت بھی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ..... جلدی سے دوسرا شخص میرے پاس آیا۔ ''جناب شاید آپ بھول گئے، اس تقریب میں تجہیز وتکفین کی رسم بھی تو شامل ہے۔ مہربانی کرکے تشریف لائیے۔'' اس نے ہاتھ سے آنے کا اشارہ کیا۔

مجھے شرمندگی کا احساس ہوا۔ میں اس کی یہ درخواست رد نہ کرسکا۔ اس کے ساتھ تقریب میں چلا گیا تقریب گاؤں کے نواح میں ایک کشادہ جگہ پر منعقد کی جارہی تھی۔ معلوم ہوا کہ پوئے پہلے سے جاری ہے۔ خوشی کے مارے لوگ بے حال ہورہے تھے ہنسی ٹھٹھے اور قہقہے ہر طرف سے پھوٹ رہے تھے۔ دودھیا روشنی میں نوخیز لڑکیاں محو رقص تھیں اور گارہی تھیں۔ یہاں بھی وہی اشارے، کنائے اور دوسروں کو لبھانے والی باتیں ہورہی تھیں۔

میں اپنی مخصوص نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔ تجہیز وتکفین کی رسم ادا کرنے کے لیے ایسی پر مسرت تقریب، غل غپاڑے اور گانے بجانے کا اہتمام میرے لیے بڑی عجیب وانوکھی بات تھی۔ میں شرم کے مارے مزید کچھ نہ پوچھ نہ سکا۔ کیونکہ وہاں دوسرے برمی بھکشو بھی موجود تھے اور میں ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ جو کچھ وہ کرتے، میں ان کی نقل کرتا جارہا تھا۔

جیسے جیسے وقت گذرتا گیا پوئے، اور زیادہ دلچسپ ہوتا گیا۔ تماشائی اس سے پوری طرح

لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ایک سجا سجایا فلوٹ رقاصوں کے قریب سے گذرا جیسے ہنستے مسکراتے ہشاش بشاش لوگوں کی ایک جماعت کھینچ رہی تھی۔ اس فلوٹ پر مینار جیسا ایک اونچی عمارت کا ڈھانچہ تعمیر کیا گیا تھا اور اسے اوپر سے نیچے تک کشتیاں یا صندوق بنانے والے کاغذ سے، کھلونے ہاتھیوں، گڑیوں اور زیورات، تیز خوشبودار تھیلوں سے سجایا گیا تھا۔

پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس گاڑی کو آگ کی نذر کر دیا گیا۔ رنگین کاغذ کے جلتے ہوئے ٹکڑے سورج کی روشنی میں چمکتے دمکتے اوپر بادلوں کی سمت اڑتے چلے جا رہے تھے۔ اس انوکھے منظر پر ہر شخص نے خوشی سے داد دی۔

جلتے ہوئے مینار کے نیچے ایک اور ڈرامہ رچایا جا رہا تھا۔ ایک روح پری کے روپ میں نمودار ہوئی۔ کنول کے پھول سے ایک شہزادی کو کھینچ کر باہر لایا گیا۔ اس شہزادے کو جادو سکھایا گیا جو شہزادی کی تلاش میں نجانے کب سے سرگرداں تھا۔ اور اسی طرح کی بے شمار اور بے سروپا باتیں۔ مجھے اپنے بچپن کا سوانگ یاد آ گیا تھا۔

میں حیران تھا کہ تجہیز و تکفین کی رسم آخر کب شروع ہو گی میں اگر کوئی بات کہتا بھی تو خود میرا راز فاش ہو جاتا۔ اسلئے میں نے صرف اپنے سامنے موجود بھکشوؤں کی پیروی کرنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی۔ میں عبادت کے انداز میں اپنے ہاتھ باندھے منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا جیسے مقدس سوتر پڑھ رہا ہوں۔

جب سارا مینار جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا تو لوگوں نے چشم زدن میں ساری راکھ سمیٹ کر ایک طرف کر دی اور ہر قسم کے خوبصورت زیورات وہیں۔ پھینک دیئے۔ اس کے بعد ایک شخص نے ہم سب بھکشوؤں کے ہاتھوں میں لمبی لمبی تیلیوں کی جوڑی پکڑا دی۔

''بھکشو صاحبان اس جانب تشریف لائیں!'' اس نے ہماری رہنمائی کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ میں نے پھر دوسروں کی تقلید میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

جہاں سے راکھ ہٹائی گئی تھی وہیں ہمیں ایک جلے ہوئے بڑے صندوق کے آثار نظر آئے اس کے ساتھ سونے چاندی کے زیورات، پھول اور پھولوں سے بنے گجروں میں تازہ جلی ہوئی انسانی لاش کا پنجر پڑا ہوا تھا۔ اب پتہ چلا کہ وہ سجا سجایا آراستہ و پیراستہ فلوٹ دراصل ایک چتا تھی۔ چتا کو نذر آتش کرنے کا یہ انداز بالکل انوکھا تھا۔ ان سیدھے سادے لوگوں نے اس معاملے میں جدت طرازی کی تھی۔۔۔ تھوڑی سی جھجھک کے بعد میں نے چمٹیوں سے ہڈیاں

نکالنے میں ان کی مدد شروع کر دی۔

تھوڑے فاصلے پر پوئے کی رنگا رنگ محفل اپنے عروج پر تھی۔ رقص میں مصروف ساری لڑکیوں نے اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا کر جسم کو تیزی سے ہلانا شروع کر دیا تھا۔ جیسے ان پر تپ لرزہ طاری ہو گیا ہو۔ اور وہ سب مل کر ایک دزمیہ گیت گا رہی تھیں۔ بربط سے نکلتی مسحور کن موسیقی کی آواز نے ایک سماں باندھ دی اتھا یہ آوازیں بادِ نسیم کے دوش پر گاؤں سے نکل کر دور تک پہنچ رہی تھیں۔ یوں رقص و موسیقی سے ہم آہنگ تجہیز و تکفین کی رسم مسرت بخش بن گئی تھی۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ برمی لوگ موت سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ہر انسان کو لازمی طور پر مرنا ہے اور موت کا مطلب ہی دُنیاوی ہوائے نفس سے فرار اور اپنی دائمی زندگی کی جانب واپسی ہوتا ہے۔ جب دائمی سکون کی طرف لوٹنا ہی ٹھہرا تو ڈر کس بات کا ہے؟ برما میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص سکرات موت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے عزیز و اقربا اور احباب اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کی سابقہ زندگی میں ہونے والے اچھے اچھے کاموں کا ذکر کرتے ہیں اور خصوصیت سے اس بات کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔ کہ مہاتما بدھ اس غیر فانی دُنیا میں اس کی رہنمائی کیلئے موجود ہوں گے۔ پھر فکر کس بات کی؟۔۔۔۔ اس طرح مرنے والے کو الوداع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ تقریب بھی ایک الوداعی پارٹی تبدیل ہو جاتی ہے۔

ہڈیاں اُٹھاتے وقت شاید اُنہوں نے میرے بازو بند کو دیکھا ہو گا اتنا بلند مرتبہ بھکشو شاید ہی کبھی ان کے گاؤں میں وارد ہوا ہو گا۔ اس لئے وہ لوگ عقیدت و احترام کے ساتھ مجھے ایک مخصوص و پروقار جگہ پر لے گئے اور مقدس سوتر سنانے کی درخواست کی میری تو حالت غیر ہو گئی دوسری بار مجھے ایک ناگوار اور تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تاہم پچھلی والی ترکیب سے میں ایک بار پھر انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔

میں نے اپنے پیروں کو بل دیتے ہوئے ایک لمبی سانس کھینچی اور بے حس و حرکت ہو کر غور و فکر اور دیان کے عالم ڈوب گیا۔ میں نے مشکل سے اپنی سانس روک رکھی تھی۔ دیہاتیوں نے سمجھا شاید مجھ پر الہامی کیفیت طاری ہو گئی ہے اور میری روح کسی اور دُنیا میں چلی گئی ہے۔ اُنہوں نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا۔

اگر آپ بھکشو ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، آپ کہیں بھی چلے جائیں۔ کوئی آپ سے پوچھ گچھ

نہیں کرے گا۔ برمی خوش باش لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اس فانی دُنیا میں جو بھی مصائب، دکھ درد اور پریشانیاں جھیلتے ہیں یا آئندہ غیر فانی دُنیا میں جو کچھ معاملہ پیش آنے والا ہے اس کا مداوا وہ مہاتما بدھ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ خود نپٹ لیں گے۔ وہ اپنی زندگی ہل چلاتے ہوئے، رقص و سرور کی محفلیں جماتے اور کسی لالچ و خود غرضی میں مبتلا ہوئے بغیر گذارتے ہیں۔

برما اگرچہ ایک کمزور اور غریب ملک ہے مگر پرامن ہے۔ صلح و آتش پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے پاس، بکثرت پھول، دلنواز موسیقی، تسلیم و رضا کی آگہی، چمکتی روشن دھوپ ہر سو پھیلی ہوئی مسکراہٹیں اور بالخصوص مہاتما بدھ کے مجسمے ہیں اور اور سبھی کچھ .....

MashalBooks.org

پانچواں باب

مجھ سے جتنی جلدی بھی ہوسکتا تھا میں جنوب کی سمت، مودان روانہ ہوگیا۔ چلتے چلتے میں کئی دروں سے گذرتا ہوا بالآخر ایک غیر آباد پہاڑی علاقے میں آ گیا جہاں ہر طرف اجاڑ مردہ و بے جان درخت اور پتھروں کے ڈھیر موجود تھے۔ اس علاقے میں نہ آدم تھا۔ نہ آدم زاد۔ اس لئے کسی انسان سے میری ملاقات ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

میں ایک رتیلے راستے پر چڑھتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک اپنے پاؤں کے پاس مجھے رائفل کی ایک گولی ملی۔ مجھے حیرت ہوئی، پھر ذرا غور سے دیکھا تو میرا چاروں طرف کارتوس بکھرے پڑے تھے۔

''وہ لوگ یہاں کسی طرح پہنچ گئے؟'' یہ عقدہ میری سمجھ میں نہ آیا۔ میں نے چڑھائی جاری رکھی۔ خاصاً اوپر چڑھنے کے بعد مجھے بے شمار پرندے دکھائی دیے جو ایک ڈھلوان چٹان کے نیچے چاروں طرف گول دائرے میں منڈلا رہے تھے۔ لمبی لمبی خمدار چونچوں اور بڑے پروں

MashalBooks.org

والے سیاہ گدھ بھی دیکھے۔ وہ بھی اسی پہاڑی کے پیچھے چکر کاٹ رہے تھے۔ یقیناً وہاں کچھ ہے۔ میں نے سوچا۔ چل کر دیکھنا چاہیے۔ رفتہ رفتہ سورج کی روشنی ماند پڑتی جارہی تھی۔ سارے علاقے پر سکوت مرگ طاری تھا۔

چڑھائی چڑھتے چڑھتے آخر میں درے کی بلند پر جا پہنچا۔ ایک اجاڑ بے آب و گیاہ تن گھاٹی تھی۔ وہاں جو کچھ میں نے دیکھا اسے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ خوف و دہشت کے مارے گویا میں مفلوج ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے میرے قدم زمین میں گڑ گئے ہوں۔ ''اف خدایا!'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''یہ سب کچھ کیا ہے۔''

تنگ گھاٹی میں سرخ چٹان کے سائے تلے تقریباً تیس آدمیوں اور ان کی تعداد کے نصف گھوڑوں کے ڈھانچے ادھر ادھر بکھرے تھے۔ ان کے جسم گرمی کی شدت میں بالکل خشک ہو چکے تھے۔ انکی سفید ہڈیاں جگہ جگہ کھال سے باہر چمک رہی تھیں۔ ایک فولادی ہلمٹ میرے پاؤں کے پاس پڑا ہوا تھا شاید لڑھک کر یہاں پہنچا تھا۔ ہر شئے اوندھی پڑھی تھی سرخ ریت کے اندر نصف دبی ہوئی۔ البتہ جہاں مردہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں وہاں بافراط گھاس اگی ہوئی تھی۔ جوں ہی میں وہاں پہنچا ایک پرندہ قیں، قیں کرتا ہوا عین میرے چہرے کے سامنے اڑ گیا۔

دوستو! یہ جاپانی فوجیوں کی ایک جماعت تھی جس کا غالباً حملے کے دوران یا پھر بمباری میں صفایا ہوگیا تھا۔ شاید انہیں بے خبری کے عالم میں یہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں کی بے توجہی کے سبب یہاں مارے گئے۔ میں نے پہلے تو خشک لکڑیاں جمع کیں اور پھر ڈھانچوں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا۔ لیکن کام اتنا زیادہ تھا کہ اس دن ختم نہ ہوسکا۔ اور رات سر پر آ گئی چنانچہ ادھورا کام چھوڑ کر میں رات گذارنے کیلئے قریبی بستی میں چلا گیا اور اگلے دن علی الصبح واپس آ گیا۔ دن بھر لاشیں جلاتا رہا۔ اسی طرح روزانہ کریا کرم کرتے مجھے ایک ہفتہ لگ گیا۔ میں نے سب کی راکھ ایک جگہ دفن کر کے، قبر پر چھوٹا سا نشان لگا دیا۔ اور پھر دُعا پڑھی تا کہ انہیں دائمی سکون مل جائے۔۔۔ اس طرح یک وتنہا، میں نے ان بدنصیبوں کی رسم تجہیز و تکفین ادا کر کے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ایک بار پھر میں جنوب کی سمت روانہ ہوگیا۔ میں نے دوران سفر جو کچھ بھی ان گنہگار آنکھوں سے دیکھا اس کی تفصیل میں جانے سے گریز کروں گا۔ ناقابل یقین طور پر یہ سب کچھ کتنا خوفناک اور ہولناک تھا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ آخر مرنے والے بھی میرے

ہم وطن ہی تھے۔ میں بھی جاپانی ہوں اس لئے ان کا دکھ میرا دکھ تھا۔

کوئی ایک واقعہ ہو تو سناؤں مجھے تو قدم قدم پر ایسے سانحوں سے دوچار ہونا پڑا کہ تو یہ ہی بھلی۔ اب سنئے ایک مرتبہ میں ایک چھوٹے سے جنگل سے گذر رہا تھا کہ شدید بارش ہونے لگی۔ سڑک کیچڑ میں تبدیل ہوگئی۔ ایک قدم چلنا دشوار ہوگیا۔ نار چار مجھے آرام کرنے کی خاطر ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں پناہ لینی پڑی۔

جھونپڑی میں پہلے سی ایک لاش موجود تھی۔ جس کے جسم پر ابھی تک جاپانی فوجی وردی موجود تھی۔ غالباً فوجی بیمار یا زخمی تھا۔ سفر کے دوران گھوڑے سے نیچے گر پڑا ہوگا اور پھر گھسٹتا گھسٹتا اس جھونپڑی میں چلا آیا ہوگا۔ اور مر گیا ہوگا۔ اس کا سارا جسم سیاہ ہو رہا تھا۔ دراصل پہل روپ کیڑوں اور چیونٹیوں نے اس کا جسم ڈھانپ لیا تھا۔ (پہل روپ ایسے کیڑے ہوتے ہیں جن میں خود کیڑے پڑ جاتے ہیں) اس شخص کا جسم ابھی اتنا گلا سڑا بھی نہ تھا۔ شاید وہ جھونپڑی میں کئی دن زندہ رہا ہوگا۔ اس کے بالکل قریب تصویر پڑی تھی۔ جس میں ایک نوجوان اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ کھڑا تھا۔ یقیناً یہ اس مردہ شخص اور اس کے بچے کی تصویر تھی۔

جھونپڑی میں لاش جلانا ناممکن تھا۔ اس لئے میں اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر جنگل میں لے گیا اور اسے تصویر کے ساتھ وہاں دفن کر دیا۔ تصویر اسی کی تھی لہٰذا اسی کے ساتھ دفن ہوگئی۔ اسے بھی میری اس حرکت سے ضرور سکون ملا ہوگا۔ میرا قیاس کہتا ہے کہ جاپان میں اس بچے کے کمرے میں بھی یہ تصویر دیوار پر آویزاں ہوگی اور وہ اکثر اسے دیکھتا ہوگا اور اب اپنے باپ کی واپسی کا منتظر ہوگا۔

جنگل میں بھی جا بہ جا مجھے اور دوسری لاشیں ملیں جنہیں فرار ہوتے وقت جاپانی فوجی دستے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ جنوبی برما میں ایک مقام ہے جسے جاپانی ''انسانی ڈھانچوں کی سڑک'' کہتے ہیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں میں گیا تھا۔۔۔۔۔۔ اس سڑک کا نام بالکل صحیح رکھا گیا ہے وہ جگہ ان چھوٹے جنگلات کی نسبت زیادہ ہولناک تھی۔

اس طرح جہاں جہاں مجھے جاپانی فوجیوں کی لاشیں، ان کے پنجر ملتے گئے ہیں انہیں دفن کرتا گیا۔ کریا کرم، کا یہ کام کتنا مشکل تھا۔ مجھے بہر حال اس کا اندازہ ہوگیا تھا۔ جو پنجر جنگل میں ملے انہیں دفن کرنے میں زیادہ وقت صرف ہوگیا۔ تاہم میں انہیں چھوڑ کر ایک قدم بھی آگے نہیں جاسکتا تھا۔ یہی ایک جگہ نہیں تھی بلکہ برما کے طول وعرض میں نہ جانے کتنے ہموطن لوگ اور

میرے ساتھی فوجی بے گور وکفن، ابدی سکون کے متلاشی کسی ایسے آنے والے کی راہ تک رہے تھے جوانہیں دفن کردے مجھے تو ایسا لگا جیسے ان بے گور وکفن لوگوں کی خاموش گریہ زاری پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ ''ہمارے لئے کچھ کرو۔ ہم بے گور وکفن ہیں۔ ہمیں کہیں دفن کردو۔''

خدارا ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔ ان کی یہ آوازیں ان کی گریہ وزاری مسلسل میرا پیچھا کر رہی تھیں۔ لیکن مجھے تو مودان جانے کی جلدی تھی۔ مجھے وہاں ہر قیمت پر پہنچنا تھا۔ میں معلوم کرنے کا خواہشمند تھا کہ میرے کتنے ساتھی ابھی وہاں موجود ہیں۔ میں ان سب سے ملنا اور انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اکثر میں سوچا کرتا تھا کہ اپنی یونٹ میں واپسی میرے لئے کتنی شاندار ہوگی۔ سب لوگ کتنے خوش ہوں گے۔ جتنا زیادہ میں سب لوگوں کے بارے میں سوچتا، اتنا ہی زیادہ میرے سینے میں پوشیدہ کرب ایک دھواں بن کر اُٹھتا۔ یہی ان دیکھا کرب گویا میرا المیہ بن گیا تھا۔ مجھے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ یا تو میں ان سب ہموطوں سے نظریں چرالوں اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لوں او مودان چلا جاؤں جہاں میں واقعی جارہا تھا یا ان لاورث، بے گور وکفن دائمی اور ابدی سکون کی متلاشی لاشوں کو ٹھکانے لگاؤں اور مودان نہ جاؤں سفر جاری رکھا۔ جنگل میں موجود ساری لاشیں میں نے دفنادی تھیں اور پھر میں اس مقام پر آ گیا جہاں دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا۔ یہ یہی مشہور دریائے میشانگ تھا۔ چوڑا تیز رفتار اور گدلے پانی کا دریا۔۔۔۔۔۔ میں کسی کشتی کے انتظار میں تھا جو مجھے دریا کے اس پار پہنچادے۔ اچانک میں نے ایک منظر دیکھا جو واقعی بہت ہیبت ناک اور خوف زدہ کرنے والا تھا۔

وہ منظر کیا تھا؟ وہ گلی سڑی لاشوں کا ایک بڑا اور مہیب ڈھیر تھا۔ جیسے ان لاشوں کو دریا کے کنارے اس دلدل میں لاکر گرادیا گیا ہو۔۔۔۔۔۔ غالباً وہ بے چارے فوجی نیم گرم پانی کی اس دلدل میں اندھادھند کود پڑے تھے۔ جبھی ان کے ہتھیار، کپڑے، دریاں اور دیگر تمام چیزوں کے بخیے ادھڑ چکے تھے۔ شاید یہ جگہ ہمارے فوجیوں کے دریا پار کرنے کی تھی۔ جہاں بہت سے لوگ پسپائی کے دوران جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

مجھ سے اور دیکھا نہ گیا، میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ ان سب کو دفن کرنا بہت بڑا کام تھا جو میری طاقت سے باہر تھا۔ میں یہ کام تنہا انجام دینے کی جرأت نہیں بھی کرسکتا تھا۔ اسی لیے میں نے یہ کام ملتوی کردیا۔۔۔ مردے تو آخر مردے ہی ہوتے ہیں۔ میں تنہا آدمی ان ڈھیر ساری لاشوں کو آخر کسی طرح ٹھکانے لگاؤں گا؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا، نہیں

میں تنہا انہیں دفن نہیں کرسکتا ان کے حال پر افسوس کرسکتا ہوں۔ یہ بدقسمت افراد آخر میری ذمہ داری تو نہیں تھی کہ میں ان میں سے ہر ایک کیلئے فکرمند ہوتا پھروں۔ بس اب میں، اپنی کمپنی میں شامل ہونے کیلئے مودان جارہا ہوں۔ وہاں سے جاپان واپس چلا جاؤں گا اور ایک نئی بھرپور زندگی کی ابتدا کروں گا۔۔۔۔۔۔یہی سب کچھ میرے ذہن میں تھا اور میں اپنے دل کی گہرائیوں سے واپسی کا ارادہ کر چکا تھا۔ یہ سوچ کر مجھے خاصا سکون بھی ملا تھا چنانچہ میں نے کشتی کے ذریعے دریا پار کیا اور پھر سارا سفر بیل گاڑی اور کبھی ٹرین کے ذریعے طے کرتا ہوا آخر میں مودان پہنچ گیا۔ اپنے سفر کے دوران میں خاصا روانی کے ساتھ برمی میں گفتگو کرنا سیکھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے بھکشو لوگوں کے سارے طور طریقے بھی اپنا لئے تھے۔

جوں ہی مودان کے نواح میں پہنچا میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ نبض کی رفتار تیز ہوگئی۔ راستے میں ایک آدمی ملا جس سے میں نے شہر کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے پانچ طوطے پکڑنے کی خاطر ایک درخت کاٹ ڈالا تھا۔ اس نے ازراہ عنایت مجھے سب سے زیادہ ہرا طوطا دیا۔ بس وہ دن اور آج کا دن، یہ طوطا ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ میں کہیں بھی گیا وہ طوطا ضرور میرے ہمراہ گیا۔ یہی پرندہ میرے اس خط کا ہم سفر ہوگا جو میں تمہیں بھیجنے والا ہوں۔

اس آدمی سے مجھے معلوم ہوا کہ مودان میں جاپانی جنگی قیدیوں کے کیمپ ہیں اور ان میں ایک کیمپ میں جنگی قیدی ہمیشہ گاتے رہتے ہیں۔ گانا ہی ان کی محبوب مشغلہ ہے۔ خواہ وہ کام کریں یا نہ کریں بس گانا گانے میں مگن رہتے ہیں۔ گانے کے دیوانے ہیں۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ تم ابھی وہیں ہو۔ جب شہر میں داخل ہوا تو دن ڈھلنے لگا تھا۔ طویل عرصے کے بعد اچانک ملنے کی خوشی دل پر چھائی ہوئی تھی دل کی دھڑکن مزید تیز ہوچکی تھی۔ مختلف لوگوں سے دریافت کرتا کیمپ تک تو پہنچ گیا لیکن میری بدنصیبی کہ کافی رات ہوجانے کے سبب کیمپ بند کردیا گیا تھا اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ محض کھڑکی سے نظر آتی لیمپ کی روشنی تھی اور بس۔

میں ساری رات ہمت کر کے جنگلے سے لگا کھڑا رہا اور تمہارے کیمپ کو تکتا رہا محال ہے جو آنکھ لمحہ بھر کے لیے بھی جھپکی ہو۔ پھر روشنی بھی آنا بند ہوگئی۔

ایک بار میرا دل اس وقت تیزی سے لرزنے لگا جب مجھے تمہاری آواز سنائی دی ۔۔۔۔۔۔رات گئے میں شہر کی ایک خانقاہ میں بقیہ رات گزارنے چلا گیا۔

دوسرے دن علی الصبح جاگ اُٹھا ابھی کافی اندھیرا تھا۔ میں جلد از جلد کیمپ پہنچنا چاہتا تھا۔

اس بستر سے ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھا اور جلدی جلدی لباس بدلنے لگا۔ میں نے سوچا آج میں اپنی کمپنی میں شامل ہوسکتا ہوں۔ پورے تین ماہ ہوئے جب میں ان لوگوں سے رخصت ہوا تھا۔۔۔۔۔اس دوران نجانے کتنے واقعات پیش آئے۔خوشی کا یہ عالم تھا کہ لباس بدلتے ہوئے میرے ہاتھ کانپنے لگے، میں زرد رنگ کی عبا پہنی جو پچھلے دنوں مجھے ایک خانقاہ سے ملی تھی۔میری تیاری مکمل تھی۔چنانچہ میں نے اپنا کشکول اُٹھالیا۔

اس ہیئت میں دیکھ کر وہ لوگ یقیناً تعجب کریں گے۔میں نے خود سے کلام کیا۔ مجھے پتہ ہے کہ وہ لوگ مجھے دیکھ کر یقیناً خوش ہوں گے۔''

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خانقاہ کے باغ میں مجھے کسی نے ستار بجا کر جگایا ہو کوئی شخص جیسے آہستہ آہستہ ''ہانیونو یادو'' نامی نغمہ بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک تو یہ آواز بے چینی کے ساتھ سنتا رہا اور جب میرے لیے ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔تو باہر نکل کر خود یہ معلوم مشکل ہوگیا۔ تو باہر نکل کر خود یہ معلوم کرنے کا تہیہ کیا کہ یہ ستار کون بجا رہا ہے۔صبح کی دھندلی روشنی میں ایک نوجوان برمی لڑکا ستار پر مشق کر رہا تھا، میں اس کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ وہ صبح سویرے کیوں ستارے بجا رہا ہے؟

''جناب مجھے افسوس ہے میں نے آپ کو اتنے سویرے پریشان کیا۔''لڑکے نے احتراماً جھکتے ہوئے شائستگی سے جواب دیا۔'' دراصل میں یہیں باورچی خانہ میں سوجاتا ہوں اور ہر روز علی الصبح اپنی روزی کمانے چلا جاتا ہوں۔یہ ستار میری روزی کا ایک ذریعہ ہے۔''

''تم وہ، دھن کیوں بجایا کرتے ہو؟''میں نے پوچھا

اس لئے کہ انگریز اس دھن کو سن کر پیسے دیتے ہیں۔''مختصر سا جواب تھا۔

ابھی خانقاہ کا بڑا دروازہ کھلنے میں کچھ وقت باقی تھا۔میں نے ستار لے لیا اور اس پر آہستہ آہستہ اپنے گانے کی مخصوص دھن چھیڑ دی۔لڑکا اسے سن کر مبہوت ہوگیا۔اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس نے مجھ سے یہ دھن سیکھنے کی فرمائش کر دی تھی۔''''برائے کرم مجھے سکھا دیجئے پھر میں اور زیادہ پیسے کما لیا کروں گا۔'' اس کی آنکھوں میں اُمید وبیم کی جھلک موجود تھی، اسے ڈر تھا کہ کہیں میں انکار نہ کر دوں۔اس وقت میرا دل حقیقی مسرت سے محسور تھا۔میں نے سوچا کیوں نہ اس کی مدد کر دوں ویسے بھی اس کی معصوم درخواست رد کرنا میرے بس میں نہ تھا۔

MashalBooks.org

اس دن صبح کے وقت اس لڑکے نے غیر متوقع طور پر کچھ خبر میں سنائیں ''اس شہر میں ایک ہسپتال ہے جسے انگریز چلا رہے ہیں'' وہ، وہ بتاتا رہا۔ جب کسی مریض کا انتقال ہو جاتا ہے تو اسے ہسپتال کے قبرستان میں دفنا دیتے ہیں۔ انگریز ڈاکٹر اور نرسیں تجہیز و تکفین میں شرکت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے موقعوں پر میں سڑک کے کنارے، ان کا انتظار کرتا ہوں۔ اور ان کے باہر آتے ہی یہ دھن بجاتا ہوں وہ لوگ مجھے چاندی کے سکے ضرور دیتے ہیں، سنا ہے آج بھی ایک کی تجہیز و تکفین کی رسم ادا ہونی ہے۔ پتہ چلا ہے کہ بہت سے جاپانی فوجی ایک طویل عرصے سے پہاڑوں کے غاروں میں محصور تھے۔ پہلے تو وہ کسی قیمت پر بھی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ ہوئے لیکن بعد میں اُنہوں نے ہتھیار ڈالا دیئے تھے۔ زخمیوں کی بڑی تعداد اس ہسپتال میں علاج کی غرض لائی گئی تھی۔ ان میں سے کچھ مر گئے ہیں اس لئے ان کی تجہیز و تکفین کی رسم ایک ساتھ ادا کی جائے گی۔ صرف آپ کو یہ بات معلوم نہیں ورنہ سارے شہر میں اس دہشت گردی کے چرچے ہیں۔ چنانچہ اب اگر میں وہاں چلا جاؤں اور انہیں ستار پر یہ دھن سنانے لگوں تو مجھے یقین ہے اچھی خاصی رقم مل جائے گی۔

اس کی اس خبر سے بھونچکا رہ گیا میرے ذہن میں کئی سوال پیدا ہوئے۔ ''تو کیا وہ اس مستطیل نما چوٹی والے جاپانی فوجی نہیں؟'' وہاں سے میرے آنے کے بعد ان لوگوں پر کیا بیتی؟'' وغیرہ وغیرہ۔ اگر میری ان لوگوں سے براہ راست ملاقات نہ بھی ہو سکے تو بھی میں ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا تھا۔ ابھی تو مجھے یہ موقع میسر تھا لیکن اگر ایک بار بھی میں کیمپ کے اندر داخل ہو گیا تو پھر میرے لئے وہاں سے باہر نکلنا ناممکن ہوگا۔ اس لئے میں نے فوری طور پر ہسپتال جانے اور معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

خانقاہ کا دروازہ کھلتے ہی میں اس لڑکے کو ساتھ لے کر ہسپتال چلا گیا۔ لیکن صبح سویرے مجھے وہاں کون ملتا جس سے معلومات حاصل ہوتیں؟ اتنے منہ اندھیرے ہسپتال کا دروازہ بھی بند تھا۔ نہ کوئی اندر جا رہا تھا اور نہ باہر۔ معاً مجھے مناجات پڑھنے کی ملی جلی آوازیں سنائی دیں جو باقاعدہ کورس میں تھیں۔ بیشتر آوازیں عورتوں کی تھیں اور قبرستان سے آ رہی تھیں جو ہسپتال کے عقب میں درختوں کے جھنڈ میں واقع تھا۔

میں کسی نہ کسی طرح درختوں کے جھرمٹ میں چلا گیا۔ سارے درخت اوس کی وجہ سے بھیگے ہوئے تھے۔ اور اون کی مانند سفیدی مائل کہرا ابھی تک درختوں پر چھایا ہوا تھا۔ کنکر بجری کے

صاف ستھرے فرش نے مجھے پارک کی یاد دلا دی تھی۔ تازہ پھولوں کی چادریں، پھولوں کے گلدستے اور بے شمار پھول قبروں کے سرہانے صاف ستھری صلیبوں کے سامنے سلیقے سے پڑے تھے۔ قبرستان کے ایک گوشے میں انگریز ڈاکٹروں اور سٹاف نرسوں کا ایک گروپ مودبانہ کھڑا ہوا تھا۔

ایک بڑے یوکلپٹس کے درخت کے پیچھے چھپا ہوا میں انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے بہت سی نیلگوں آنکھوں اور گلابی رخساروں والی نرسیں تھیں جو اپنی استری شدہ کڑک دار سفید یونیفارم میں تھیں۔ ان کے سروں پر اسکارف اور ٹوپیاں تھیں بقیہ مردسروں سے ننگے تھے۔ تجہیز و تکفین ختم ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کہ وہ سب میز کے پیچھے کھڑے مناجات گا رہے تھے۔ مناجات ختم ہوئی تو سب نے اپنے سینوں پر ہاتھ سے صلیب بنائی اور لمحہ بھر کے لئے احتراماً سر جھائے کھڑے رہے اور پھر خاموشی سے واپس چلے گئے۔

ان لوگوں کے جانے کی بعد میں اس نئی قبر پر گیا جس پر چھوٹی مگر پیاری چادر پڑی ہوئی تھی۔ قبر کے کتبے پر کندہ تحریر پڑھ کر میں نادم اور شرمساری نہیں بلکہ حیران و پریشان بھی ہوا میں الجھا الجھا سا کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ قبر پر کندہ تھا۔

''یہاں نامعلوم جاپانی فوجی ابدی نیند سو رہے ہیں۔''

پھر میں نے قبرستان کے دروازے کے پاس لڑکے کو ستار ''ہانیو نو یادو'' کی دھن بجاتے سنا۔ میں اسی آواز کے زیر اثر دروازہ کی جانب کھنچتا چلا گیا۔ میں بے حد شرمندہ تھا۔ اور خود کو ایک ظالم و جابر انسان تصور کر رہا تھا۔ اس لئے کہ میں نے اپنے ان ہم وطنوں کی بے گور و کفن لاشوں، پنجروں اور ان کی بچی کھچی باقیات سے منہ موڑ لیا تھا جو دریائے سیتانگ کے کنارے دلدل میں ایک بے ہنگم ڈھیر کی شکل میں بے یار و مددگار پڑی تھیں۔

میں اپنی ذات کے خول میں بند تھا۔ اس کے باوجود اپنے ضمیر کی خوفناک لعن طعن سن سکتا تھا! میرا ضمیر چیخ چیخ کر میری غیرت کو للکار رہا تھا۔ ''ان غیر ملکیوں کا ہمارے ساتھ، ہمارے مردوں کے ساتھ سلوک کیسا ہے؟ ..... اُنہوں نے ہمارے بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کی، ان کی سرگرمی سے علاج کیا، ہمارے مردوں کو باوقار انداز میں دفن کیا۔ ان کی قبر پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں۔ ان کی روحوں کے ایصال ثواب کیلئے سروس منعقد کی۔ اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے تو کیا زور تھا تمہارا ان پر؟ ..... ایک تم ہو جو اپنے ساتھیوں، اپنے ہموطنوں کی

لاشوں، ان کی ہڈیوں کو دریائے ستیانگ کے کنارے چھوڑ آئے۔ وہ آخر تمہاری ذمہ داری نہیں تو کس کی ہے؟ ابھی تمہارے بے شمار ہم وطنوں کے لاشے، ان کی باقیات، بے گوروکفن تمہارے منتظر ہیں خواہ وہ دریائے ستیانگ کے کنارے ہوں یا پہاروں، جنگلوں اور وادیوں میں ہوں۔ تمہیں انہیں دیکھنا ہے۔ وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس لئے کہ تم خود جاپانی ہو۔۔۔۔ اپنے گھروں کو واپسی کیلئے اپنے دوستوں کے لیے ہانیونو یادو، صرف ایک گیت یا نغمہ نہیں ہے۔۔۔ ایک تحریک ہے وہ ہر اس شخص کی اپنے وطن واپسی کی آرزو اور اشتیاق کا مظہر ہے جو امن چاہتا ہے اپنے گھر کے لیے اور اپنے وطن کیلئے بھی۔ وہ مردے جن کی لاشیں سڑنے کیلئے بے یارو مددگار ایک غیر ملکی سرزمین پر چھوڑ دی گئیں آخر کس کی ذمہ داری ہے؟ کیا تم ان کے ابدی آرام گاہ تلاش کئے بغیر اس ملک سے اپنے وطن واپس جاسکتے ہو؟ نہیں! کیا تم برما چھوڑ سکتے ہو۔ جاؤ، ابھی وقت ہے اپنے قدموں کے نشان تلاش کرو! واپس لوٹ جاؤ ان مردہ لوگوں کی طرف! ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو تو سہی! تم نے دوران سفر کیسے کیسے ہولناک مناظر دیکھے ہیں، اس کے باوجود تم وطن لوٹ جانا چاہتے ہو! کیا واپس شمال میں جانے کی تم میں ہمت ہے؟

میرے ضمیر نے اتنے کچوکے دیئے تھے کہ اب میں اس کی آواز کی نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ لگتا تھا جیسے ایک قرض مجھ پر عائد کر دیا گیا ہو اور میں جلد از جلد اسی فرض سے عہدہ برآ ہونے اور اس نامکمل کام کی تکمیل کے لئے روانہ ہونا چاہتا ہوں پھر یوں ہوا کہ کیمپ کی طرف جانے کے بجائے میرا رخ شہر سے باہر جانے والی سمت ہو گیا۔

میرے دل میں اپنے پرانے ساتھیوں سے ملنے کی خواہش موجود تھی۔ فاصلے زیادہ سہی لیکن جاتے جاتے میرے قدم سست پڑ گئے۔ ایک مرتبہ پھر میں غیر ارادی طور پر کیمپ کی طرف چلا گیا مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے گھنٹوں انتظار کیا مگر آپ لوگ کسی تعمیراتی کام پر گئے ہوئے تھے۔ یہاں سے نا اُمید ہو کر میں نے مزید انتظار کرنا مناسب خیال نہ کیا اور ایک بار پھر میں شمال کی جانب عازم سفر ہو گیا۔ میں نے مودان کے نواح سے باہر نکلنے میں بڑی تیزی دکھائی۔ راستے میں ایک تنگ پل پار کر رہا تھا۔ جس کی نئے سرے سے مرمت کی گئی تھی تو اچانک میں نے تم لوگوں کو اپنی جانب آتا دیکھا میں تم لوگوں میں سے کسی ایک کو نہیں پہچان سکا کیونکہ تم لوگوں نے حلیہ ہی ایسا بنایا ہوا تھا۔۔۔ تمہارے جنگی قیدیوں کے ملگجے، مٹی تھپے ہوئے کپڑے تھے۔ ابھی میں نصف پل تک پہنچا تھا کہ تم لوگ میرے اور نزدیک آ گئے۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا

میری آرزو شاید بر آئی تھی۔ میں تم لوگوں سے ملنے اور تمہیں اتنے نزدیک سے دیکھنے کی وہ خوشی بیان کر سکتا ہوں اور نہ وہ کیفیت، جو اس وقت میرے دل میں اتھل اتھل مچائے ہوئے تھی۔ تاہم اسی کیفیت میں ہم ایک دوسرے کے قریب سے گزرے اور ایک دوسرے کیلئے اس تنگ پل پر راستہ۔۔۔۔ مہینوں بعد میں نے اپنے پرانے ساتھیوں کا اتنے نزدیک سے سامنا کیا تھا۔۔۔۔ چونکہ میرا ارادہ شمال کی طرف جانے کا تھا اس لئے افسوس ہے کہ میں تمہارے ساتھ شامل نہ ہو سکا۔ نہ میں نے تمہیں یہ شبہہ ہونے دیا کہ میں واقعی تمہارا بچھڑا ہوا دوست میزوشیما ہوں میں نے تمہیں یہ باور کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ میزوشیما مر چکا ہے۔

اس کے بعد، میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ شمال کی جانب روانہ ہو گیا۔ ہر اطوطا میرا ہمسفر تھا۔

MashalBooks.org

چھٹا باب

کپتان خط پڑھتے پڑھتے لمحہ بھر کیلئے رکا تو دوری پر بیٹھا طوطا زور زور سے چلانے لگا۔ ''آہ، اب میں گھر نہیں جا سکتا!'' اس کی آواز ٹھنڈی آہ میں بدل گئی تھی۔ ہم سب لوگ بھی افسردہ ہو گئے اور سمندر کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔

شام کا وقت تھا، آبنائے برما کے شوخ رنگ ماند پڑ چکے تھے۔ اب وہ فوٹو گراف کے نیگیٹو پر ایک نظارے کی طرح تھا۔ سماتر اور جزیرہ نما ملایا پر سکون پانیوں پر ہمارے گرد آہستہ آہستہ گذرتے جا رہے تھے۔ ادھر ادھر تنگ کھاڑیاں شام کے دھندلکے میں پہلی ہی گہری سیاہ ہو چکی تھیں۔ ان میں سے چند ایک لنگر گاہ میں موجودہ مچھیروں کی کشتیوں کی روشنی میں جگمگا رہی تھیں۔ لہروں کے بڑے بڑے ہمارا جہاز پر سکون خاموشی میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ جوں جوں تاریکی میں اضافہ ہوتا گیا جہاز کی رفتار کم ہوتی گئی۔

کپتان نے خط پڑھنے کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے پڑھتے پڑھتے چھوڑا تھا۔

''اس وقت میرا قیام ایک خانقاہ میں ہے، جہاں میں نے ساری رات خط لکھنے میں

MashalBooks.org

گذار دی ہے۔تقریباً پو پھٹنے کو ہے، چاند نیچے اتر آیا ہے وہ باغ میں ناریل کے درختوں کے نیچے روشن لیمپ کی طرح لٹک رہا ہے جیسے کوئی قندیل ہو۔ بے شمار ستارے جھلمل کر رہے ہیں۔

کبھی تم نے تصور کیا ہے کہ میں نے کب کب اور کس کس طرح تمہیں یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ میں ہی میزوشیما ہوں؟ اگر مجھے پہچان لیا جاتا تو آج میں بھی تمہاری طرح کسی جنگی کیمپ میں نظر بند ہوتا اور مجھے اپنے اس نئے فرض سے کنارہ کش ہونا پڑتا۔ میں نے تمہیں کئی بار خط لکھنے کی کوشش کی مگر پھر خیال اپنے ذہن سے نکال دیا۔ خود کو محض یہ سمجھاتے ہوئے کہ ماضی کے بندھنوں کو فراموش کر دینا ہی اچھا ہے۔ کافی عرصے سے میرا تم سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ میرے لیے یہ کتنے دکھ کی بات تھی کہ میں تمہیں اپنے زندہ ہونے کا احساس بھی نہ دلا سکا۔ میرے بھکشو بن جانے کے بعد سچ مچ کا روپورل میزوشیما نام کے کسی شخص کا وجود باقی نہ رہا تھا۔

اپنے مردہ اہل وطن کی ہڈیوں کو ملک کے دور افتادہ مقامات پر دفناتے ہوئے تمہارے بارے میں میں کچھ سوچنا یا آرام کرنا میرے لئے محال تھا۔۔۔۔ایک دن اچانک پھر میں مودان واپس آ گیا اور جنگلے کے دوسری جانب کھڑا ہو گیا۔ تم لوگوں کو گاتے سنتا رہا۔ میں وطن کی یادوں سے معمور اور مغلوب جذبوں پر قابو پانے کی بہتری کوشش کرتا مگر وہ یادیں تو میرے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھیں، مجھے وہ حسین لمحے رہ رہ کر یاد آ رہے تھے جب ہم تم سب مل کر گایا کرتے تھے۔ میں ہمیشہ اس بات سے پریشان رہتا کہ آخر ایک دن تم سب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے تو پھر۔۔۔۔۔۔ اسی لئے میں بار بار مودان کے چکر محض یہ دیکھنے کے لیے لگایا کرتا تم لوگ ابھی کیمپ میں موجود ہو۔ تمہیں دیکھ کر مجھے ایک گونہ تقویت ملتی۔ میں اطمینان کا سانس لیتا۔

میرا پالتو طوطا میرے وہ الفاظ یاد کر لینے میں ماہر ہو گیا تھا جو میں اکثر بڑا بڑایا کرتا تھا میرا قیاس ہے کہ وہ طوطا تم لوگوں کے پاس ہے جبکہ تمہارا طوطا میرے کندھے پر بیٹھا ہوا ہے۔ کبھی کبھی وہ یکبارگی پکار اُٹھتا ہے ''اے میزوشیما!'' ہمیں اکٹھے جاپان جانا ہے۔'' وہ ہمیشہ مجھے یہ الفاظ یاد دلا کر چونکا تا رہتا ہے۔

تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ ابھی میں جاپان واپس نہیں جاؤں گا۔۔۔۔۔۔اس وقت تک نہیں جب تک میں اپنا مشن مکمل نہیں کر لیتا۔۔۔۔کل ہی کی بات ہے مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ میں اپنا دیرینہ عہد اس وقت بھلا بیٹھا جب تم لوگوں کو الوداع کہنے کیلئے اپنا ستار بجا رہا تھا۔ جوں ہی میں کیمپ سے واپس جانے لگا تھا تو میرے کندھوں پر موجود دونوں طوطوں نے چیخ

چیخ کر آسمان سر پر اُٹھایا لیا تھا۔ جیسے وہ دونوں مجھ سے اپلیں کرنے لگے تھے۔ مجھے بہر حال ایک بات کا انتخاب کرنا تھا۔ ویسے میری پسند بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔۔۔۔۔ لاتعداد ہم وطنوں کی بے گور وکفن ہڈیاں مجھے پکار رہی تھیں۔ وہ اب بھی میری منتظر ہیں۔ میں انہیں ہرگز نظر انداز نہیں کرسکتا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ تم سب لوگ مجھے۔۔۔۔۔۔ اپنے میزوشیما کو معاف کردو گے۔

پہلی بار جب مودان سے رخصت ہوا تھا۔ تو سیدھا دریائے ستیا نگ کے گھاٹ پر چلا گیا تھا۔ جاپانی فوج کی ہزیمت، پسپائی، اور بربادی کے دوران خبر رسانی، رسل ورسائل اور نقل وحمل کے تمام اور رابطے منقطع ہو چکے تھے۔ ہمارے فوجی دستوں نے انتشار وابتری کی حالت میں راہ فرارہ اختیار کی تھی۔ اس قسم کے واقعات سارے برما میں ہر جگہ رونما ہوئے تھے۔

دریائے سیتا نگ کے ساتھ ساتھ کناروں پر جو مقامی باشندے رہتے تھے ان کے بیان کے مطابق بہت سے جاپانی یونٹوں نے یہاں سے دریا پار کرنے کیلئے ایک رات گذارنے کی کوشش کی تھی، اُنہوں نے اس دریا کو دوسو گز کے فاصلے پر پار کیا تھا۔ یہ کام اُنہوں نے چھوٹے چھوٹے لٹھوں کے ٹھاٹھ کے ذریعے انجام دیا تھا ہر ایک ٹھاٹھ پر نو دس فوجی سوار ہوتے تھے۔ بدقسمتی سے وہ لٹھے دریا کے وسط میں پہنچتے ہی تیز بہاؤ میں بہہ جاتے۔ کچھ لوگوں نے دریا کے راستے سمندر میں پہنچنے کی بھی ناکام کوششیں کیں، اور کچھ جنگل کے بالکل بیچ کناروں پر اتر جاتے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے دیگر مقامات سے بھی دریا پار کرنے کی کوششیں کیں۔ رات کے وقت مقامی لوگوں کو اکثر کسی رافٹ سے مدد کیلئے پکارنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جو شاید دریائے کے تیز بہاؤ میں کہیں اور بہے جارہا ہوتا۔

ہر گھاٹ پر بے شمار جانیں ضائع ہوتیں۔ اس کے علاوہ بھی زیادہ تعداد مرنے والے ایسے فوجیوں کی تھی جو وبائی امراض، دست پیچش ملیریا ہیضہ وغیرہ میں مبتلا ہو گئے تھے وہ دواؤں اور غذا کی کمیابی کے سبب اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ان کا کہیں جانا محال تھا۔ اسلئے انہوں نے دستی بم کے ذریعہ خودکشی کرنے کو زیادہ ترجیح دی تھی میدانوں اور جنگلوں میں اکثر دھماکے اس وقت سنائی دیتے جب بھاگتے ہوئے فوجیوں کا ادھر سے گذر ہوتا تھا۔۔۔۔ مقامی باشندے اچھی طرح جانتے تھے کہ ہر دھماکے کا مطلب مزید ایک خودکشی ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ہزیمت اور پسپائی کے عمل میں ایسے بے شمار واقعات وحادثات رونما ہوئے جن میں مرنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی لیکن ان کا نہ کوئی ریکارڈ تھا اور نہ کہیں اندراج شاید

ایسی ان کہی داستانیں فراموش کر دینے کے لیے ہوتی ہیں!

کسی کو بھلا کیا معلوم کہ میں نے اب تک ان گنہگار آنکھوں سے جو کچھ دیکھ لیا تھا اس کے تدارک کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ اپنے ضمیر کے بوجھ تلے کیا کوئی کسی کو نظر انداز کر سکتا ہے؟ اور ایسی صورت میں جبکہ اس کا ضمیر اسے کچھ کے دے رہا ہو اور کیا کوئی محض یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا سکتا ہے کہ فلاں کام اس کی ذمہ داری نہیں ہے؟

میرے خیال میں ایسی بات نہیں تھی۔ میں نے مقامی باشندوں اور قریبی گاؤں کے بھکشوؤں کی بھرپور تعاون سے ان کی لاشوں اور ان کی باقیات کو دریا کے رتیلے کناروں میں دفنا دیا۔ ریت کی کھدائی کے دوران ایک دن مجھے ایک بڑا قیمتی یاقوت مل گیا۔ جو مشہور برمی یاقوتوں میں سے ایک تھا وہ گہرے سرخ شعلے کی مانند آنکھوں کو خیرہ کر دینے اور چوندھیا دینے والی آب وتاب کے ساتھ چمکتا تھا۔

میں نے سنا تھا کہ انگریز مودان میں تجہیز وتکفین کیلئے ایک شاندار میموریل سروس منعقد کر رہے ہیں۔ چنانچہ میں اس یاقوت کو بطور یادگار جاپانی مردوں کی جانب سے سروس میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ میرے خیال میں اول تو جنگ شروع کرنا ہی غلطی تھی۔ پھر اسے جنگ میں لڑنے والوں اور اس میں کام آنے والوں، خواہ وہ انگریز ہوں یا جاپانی۔۔ کی غلطی کس طرح قرار دے سکتے ہیں؟ یہ بے چارے تو حکم کے بندے تھے۔ محض تعمیل حکم میں جنگ کا ایندھن بن گئے ان کا اس میں کیا قصور؟ ..... ان بے چاروں کی روحیں تو اس دُنیا سے عالم فانی کو کوچ کر چکی ہیں۔ مجھے یقین ہے اس معروف جگہ پر تجہیز وتکفین کی ایک مشترکہ رسم کی ادائیگی پر انگریز مردوں کی روحوں کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس جاپانی مردوں کا استقبال کر کے انہیں مسرت ہوگی۔ مجھے جنگ بندی کی وہ رات اچھی طرح یاد ہے جب اس پہاڑی گاؤں میں زندہ دُشمنوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر جشن امن منایا تھا۔۔۔۔۔ میں نے یاقوت کو ایک سادہ سے لکڑی کے صندوقچہ میں رکھا۔ پھر اسے کپڑے میں لپیٹ کر اپنی گردن میں لٹکا لیا اور تدفین کے ماتمی جلوس میں شامل ہو گیا۔ پھر میں نے اسے مردہ گھر کی قربان گاہ پر رکھ دیا۔

میموریل سروس کے دوان خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے وہ یاقوت وہیں موجود رہا۔ زندوں میں واحد جاپانی میں تھا جو مسلسل عبادت میں مشغول رہا۔۔ تاہم قیمتی یاقوت ہمیشہ کیلئے مردہ گھر میں چھوڑ انہیں جا سکتا تھا۔ قبل اس کے کہ انگریز مردوں کی باقیات واپس انگلستان بھیجی

جاتیں۔ مجھے اس صندوقچے کے لئے کوئی دوسری جگہ تلاش کرنا تھی۔ میں نے اپنی دانست میں ایسی محفوظ جگہ کی تلاش جاری رکھی جہاں یاقوت کو چھیڑا نہ جا سکے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس یاقوت کو عظیم مہاتما بدھ کے مجسمے کے خول میں رکھدوں۔ اس کے بعد تقریباً ہر روز اس مجسمے کے پاؤں تلے دروازے میں آنا جانا میرا معمول بن گیا۔ اس چور دروازے کے بارے میں سوائے پگوڈا کے چند بھکشوؤں کے اور کسی کو علم نہ تھا۔ مسئلہ تو قربان گاہ بنانے اور اس میں یاقوت کا صندوقچہ دفن کرنے کا تھا۔

ایک دن مجسمے کے خول کے اندر تاریکی میں مجھے سخت تھکن کا احساس ہوا تو میں نے آرام کرنے کی غرض سے اپنی پشت دیوار سے لگالی۔۔ ابھی میں نے اونگھنا شروع کیا تھا مجھے تمہارے گانے کی آواز سنائی دی۔ میں چونک پڑا۔ مجھے سے نہ رہا گیا، میں نے بے اختیار ستار پر ایک دلنواز دھن چھیڑ دی۔ شروع ہی سے یہ میرا معمول بن گیا تھا کہ اندرونی سفر پر جاتا تو ستار میرے پاس ہوتا۔ اور واپس آتا تب بھی۔ اکثر لڑکے کے ساتھ میں خانقاہ میں ستار بجایا کرتا تھا۔ اس لئے اس دن بھی ستار میرے پاس موجود تھا۔

آپ لوگ غیر متوقع جگہ پر اچانک ستار کی آواز سن کر حیران تو ضرور ہوئے ہوں گے! آپ کو تجسس نے گھیرا ہوگا۔۔۔ بہر حال مجھے معاف کر دیں' میں نے بے اختیار ہو کر اپنی سوچ کا اظہار کیا تھا۔ اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ اشارہ کیا تھا کہ میں یہاں ہوں! اور زندہ ہوں! میرا پیارے ساتھیو ہمیں اکٹھے مل کر گانا چاہیے!

آپ لوگ دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ بری طرح دروازہ پیٹ رہے تھے اور میں اندر کھڑا سہم رہا تھا۔ سخت اذیت اور کرب میں مبتلا تھا۔ میری مٹھیاں بھنچی ہوئی تھی میں نے ایک ایک کی آواز پہچان لی تھی۔ چونکہ میں بھکشو تھا اس لئے دروازے کو دھکا دے کر تم سے گلے نہ مل سکتا تھا۔ یکا یک خاموشی چھا گئی جیسے سکوت مرگ! میں نے ایک سیڑھی پر چڑھ کر ایک مجسمے کی آنکھ سے باہر جھانکا تو پتہ چلا کہ ایک ہندوستانی فوجی تمہیں پگوڈا کی جانب لے جا رہا ہے۔

دریائے ستیانگ کے کنارے تدفین کا انتہائی جان لیوا کام انجام دینے کے بعد قریبی دیہات کے پگوڈا میں چلا گیا۔ مجھے مقدس احکام کے حصول کی اجازت مل گئی تھی۔ جہاں کہیں اور جب بھی ممکن ہوا میں نے اپنا مطالعہ جاری رکھا۔ ریاضیت اور تزکیہ نفس کی مشق بھی ساتھ ساتھ جاری رہی۔ میں نے سردار کی بیٹی کا دیا ہوا بازو بند پگوڈا کو واپس کر دیا تھا۔ لیکن مردوں کو دفنانے

کے لئے میری انتھک کوششوں کو سراہتے ہوئے انہوں مجھے دوسرا باز و بند عنایت کر دیا گیا تھا۔

میرا کام روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، ۔میرا مقصد حیات نہ صرف جاپانی فوجیوں کی روحوں کو ابدی سکون اور ابدی آرام گاہ فراہم کرنا تھا۔ بلکہ ایک بھکشو کی حیثیت سے سب کی بلا امتیاز خدمت بھی میرا فرض منصبی تھا۔

برمیوں پر اثر انداز ہونے کے لئے میں مہاتما بدھ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں اور انہیں اپنی زندگی کا ایک جزو بنا لینا چاہتا ہوں ۔ہم نے اور ہمارے ہم وطنوں نے ظالمانہ طور پر حولناک حالات برداشت کیے ہیں۔ مجھے انتھائی افسوس تھا کہ ایک بے مقصد کام کے لئے بے شمار معصوم لوگوں کی جانیں ضائع ہو گئیں۔۔۔اور کتنے لوگ ظالمانہ جنگ کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھ گئے ۔تازہ دم نوخیز جوانوں کو ان کے گھروں سے، ان کی ملازمتوں اور دفتروں سے، ان کے اسکولوں، کالجوں سے نکال کر زبردستی فوج میں بھرتی کیا گیا۔کیا صرف اس لئے کہ ان بیچاروں کی بے گوروکفن لاشیں، ان کی سفیدی مائل ہڈیاں ایک غیر ملکی زمین پر یونہی چھوڑ دی جاتیں۔میں جتنا زیادہ سوچتا اتنا ہی زیادہ افسوس و رنج ہوتا ۔مزاج کی تلخی میں اور اضافہ ہو جاتا۔اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو جو کچھ اب تک ہو چکا ہے اس سے ہمیں اپنے لاابالی پن کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔آخر ہمیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا ہماری ساری حسیں مردہ ہو چکی ہیں؟ کیا ہم زندگی کے معنوں کی گہرائی میں غوطہ زن ہونے اور غور و فکر کرنے کی عادتوں سے عاری ہو چکے ہیں؟

بھکشو بننے کے بعد اپنی تعلیم و تربیت کے دوران میں نے بہت سی باتیں سیکھیں زمانہ قدیم سے بدھ مذہب (دنیا میں جہاں کہیں بھی موجود ہے) انسانی زندگی پر غیر معمولی غور فکر کرنے کے لئے وقف ہو چکا ہے۔وہ لوگ جنہوں نے مہاتما بدھ کی تعلیمات کے لئے خود کو وقف کر رکھا ہے یا جو اپنی خوشی سے زندگی کی آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر دنیاوی زندگی کو تیاگ کر ہر قسم کے خطرات امتحانات (روحانی و جسمانی دونوں) اور درشت قسم کے زھد خشک اور سچائی کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں رہتے ہیں بڑے بلند ہمت ہوتے ہیں۔ان کے عزائم، ان کی جواں مردی کسی فوجی سے کم نہیں ہوتیں، ان کی جنگ، یہ تگ و تاز نا قابل فہم اور نا قابل دید قلع فتح کرنے کے لیے ہوتی ہے۔تزکیہ نفس۔اور نفسیانی خواہشات کو زیر کرنے کی خاطر، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، کچھ لوگ تو نیم برہنہ حالت میں ہمالیہ کے برفپوش پاڑوں پر رینگتے رہتے ہیں۔

ہم جاپانی لوگ تزکیہ نفس کیا جانیں، نہ ہم نے بہت زیادہ روحانی مشقتیں کی ہیں اور نہ ہم ان کی اہمیت وقدر و قیمت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم صرف ایک شخص کی قابلیت پر زور دیتے ہیں کہ اوہ اپنا کام بخوبی اور احسن طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ ہم نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ آدمی ہے کس قسم کا؟ وہ کس طرح زندگی بسر کرتا ہے؟ اس کی سوجھ بوجھ کی گہرائی کیا ہے؟۔ بدھ بھکشو انسانی زندگی کے بہترین نمونے ہوتے ہیں۔ زھد وریاضت، نفس کشی، پاک دامنی، بقدر گنجائش، اپنی بساط کے مطابق نجات کا حصول اور دوسروں کی نیکی کی جانب ترغیب دلانا یا اس میں مدد کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ان تمام اوصاف کی موجودگی میں دیگر تمام خوبیوں کے باوجود ہم کیوں لاعلم رہ گئے؟ مجھے امید ہے کہ اس غیر ملکی سرزمین پر ایک بھکشو کی حیثیت سے اپنی بقیہ تمام زندگی ان سچائیوں کی تلاش میں بسر کرتا رہوں گا۔

جیسے جیسے میں چڑھتا گیا، راستے میں حائل ہونے والے دریاؤں کو پایاب جگہ سے پار کرتا اور لاشوں کو دفناتے ہوئے اگر پانی میں یا گھاس پھوس میں پڑے سوکھے ہوئے کسی انسانی پنجر پر نگاہ پڑھ جاتی تو میں کربناک واذیت ناک سوالات سے خوف زدہ ہوجاتا۔ اس دنیا میں اتنی زیادہ مصیبتیں اور تکالیف کیوں ہوتی ہیں؟ اس دنیا میں اتنی پریشانیاں کیوں ہوتی ہیں؟ ہم دن رات کیا سوچا کرتے ہیں اور کیا ہوجاتا ہے؟

جلد ہی مجھے علم ہوگیا کہ یہ سوالات صرف ایک انسان کے سوچنے، غور وفکر کرنے سے حل نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ ہم سب مل کر اس تکلیف دہ اور درد وکرب سی کراہتی دنیا کو تھوڑا سا بھی آرام وسکون مہیا نہ کرسکیں، ہمیں باہمت اور بہادر بننا چاہیے، اس بات سے قطع نظر کہ ہمیں کتنی پریشانیاں، کتنی غیر معقول باتوں، کتنی لغو حرکتوں اور لچرپن کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہمیں نڈر، بے خوف وجری اور باعزم ہونا چاہیے سکون وآشتی کے ساتھ اس کا مقابلہ اپنے کردار کی مضبوطی اور اخلاقی قوت کے اظہار سے کرنا چاہیے۔۔

مذہبی زندگی کے لئے خود کو وقف کردینا اور خدمت خلق کرنا میرا مقصد زندگی اور میری امید ہے۔ برما کے لوگ اپنے تمام اوصاف کے باوجود کاہل، آرام طلب، خوشیوں کے خوگر، لاپرواہ، خوش باش، منکسر المزاج اور شرمیلے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ مسکراتے رہتے ہیں۔ لالچ سے پاک اپنے تئیں وہ مطمئن رہتے ہیں تھوڑی چیز پر قناعت اور تکلیفوں پر صبر وشکر کرلیتے ہیں۔۔۔ ان کے درمیان رہتے ہوئے مجھے یقین آگیا تھا کہ یہ تمام ترقیمتی، انمول انسانی خصوصیات ان میں

بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ہمارے ملک نے از خود ایک مہیب جنگ چھیڑ دی تھی۔ پھر اس ظالمانہ رویے کے تحت شکست ہمارہ مقدر بنی۔ نتائج ہم بھگت رہے ہیں اور آئندہ نجانے کب تک بھگتتے رہیں گے۔۔ یہ سب اس بناء پر ہوا کہ ہم سب لالچی ہو گئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا ہم اتنے لاعلم تھے کہ ہم نے انسانی جانوں کی قدر و قیمت اور عظمت کو فراموش کر دیا تھا۔ تہذیب واقدار کے بارے میں ہمارا آئیڈیل بہت پست اور معمولی تھا۔ ہم اس غریب ملک کے باشندوں کی طرح اتنے نڈھال، بیدم کمزور اور بے جان نہیں تھے۔ دراصل ہم نے اپنی زندگی کے حقائق سے ماورا الگ خواب دیکھے تھے۔ خواب تو یہ لوگ بھی دیکھا کرتے ہیں لیکن کیا ہم ان لوگوں کی طرح اپنے کاموں میں مستعد، سرگرم اور تھوڑے کم لالچی نہیں ہو سکتے؟ کیا یہ لازمی نہیں کہ خود جاپانیوں اور تمام بنی نوع انسان کے لئے بھی ہم ایسا کریں۔

ہمیں کس طرح تحفظ مل سکتا ہے؟ ہم دوسروں کی زندگیاں بچانے میں کتنی مدد دے سکتے ہیں؟ میں اس بات پر احتیاط سے غور کرنا چاہتا ہوں۔ میں کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں یہاں رہ کر خدمت خلق اور فلاحی کام کرنا چاہتا ہوں۔

میرے پیارے ساتھیو!

میں تمہیں کس بتاؤں کہ جدائی کا میرے نذدیک کیا مطلب ہے؟ وہ دن، جس سے میں ایک طویل عرصے سے خوفزدہ ہوں، بالآخر آ پہنچا ہے۔ کئی ہفتوں کے بعد جب میں مودان آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میری کمپنی اگلے دن سویرے جہاز کے ذریعے جاپان جا رہی ہے میں نے یہ خبر سکون کے ساتھ سنی۔

دراصل میں بے حد خوش ہوں اور آپ سب لوگوں کے پرخلوص جذبات اور غیر متزلزل محبت کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ یہ جبر یا آپ کی ناخوشی کے سبب سہی، بہر حال آپ لوگوں سے بچھڑ جانے اور برما میں پیچھے رہ جانے پر آپ کا بے حد ممنون ہوں۔۔ میں اب یہیں برما میں قیام کروں گا۔۔ اس ملک میں جس سے میں محبت کرتا ہوں۔۔۔ اس ملک میں، برف پوش پہاڑوں سے لے کر کھاڑیوں تک اور درخشاں وضوفشاں جنوبی کراس کے نیچے۔

میرے پرعزم دوستو!

جب تمہاری جدائی کا کرب میرے وجود کے لئے ناقابل برداشت ہو گا

تو۔۔۔۔۔میں ستار بجالیا کروں گا۔۔

میں اپنی دوستی کو ہرگز فراموش نہیں کروں گا۔آپ سب لوگوں کی خوشیوں، مسرتوں کے لئے تہہ دل سے دعا گو ہوں۔

فقط تمہارمیز و شیمایازوہیکو۔

MashalBooks.org